ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
اتوار 17 جمادی الثانی 1445ھ
مطابق 31 دسمبر 2023ء

بچوں کا اسلام

1115
پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

بہاول پور

دین سے بغاوت کی دنیا ہی میں سزا

اور یہود پر، ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائے اور بکری میں سے اُن دونوں کی چربیاں ان پر حرام کر دی تھیں مگر وہ جو اُن کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو، اُن کی شرارت (دین سے بغاوت) کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

(سورۃ الانعام۔ آیت 146)

بغاوت ایک مہلک گناہ

صحابی رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو خطرناک اور مہلک گناہ ایسے ہیں جن کے مرتکب کو دنیا میں سزا بھگتنی پڑتی ہے، آخرت کا وبال تو اس کے علاوہ ہی ہے۔ پہلا دینِ اسلام سے بغاوت اور دوسرا گناہ قریبی رشتے داروں سے قطع تعلق ہے۔''

(رواہ الترمذی)

دستک

سال ۲۰۲۴ء کے کچھ اہداف!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

کچھ برس گزرتے ہیں کہ محترم عامر خاکوانی نے اپنی ایک تحریر میں ہمارے لیے لکھا تھا کہ آپ میں بہت پوٹینشل ہے، بہت زیادہ اور بہت اچھا لکھ سکتے ہیں، بے پناہ ادارتی مصروفیات مگر آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کو متاثر کر رہی ہیں۔

اور واقعتاً ہفتہ قبل ایک ایسا واقعہ ہوا کہ اپنی حد سے بڑھی ہوئی پیشہ ورانہ مصروفیات کے نقصانات کا اندازہ ہوا اور شدید تاسف ہوا۔

دراصل کمپیوٹر پر کوئی فائل تلاش کرتے تھے کہ ۲۰۱۵ء کا ایک فولڈر نظر آیا اور جیسے آنکھوں کے سامنے سے آٹھ سال کے پردے اٹھ گئے ہوں۔

یہ فولڈر ہم نے اپنی 'ذاتی ڈائری' کے طور پر شاید دو ہزار دس میں بنایا تھا۔

اِس فولڈر میں ایک فائل تو ''آئیڈیاز'' ہی کے نام سے ہے۔

جب بھی کوئی نیا اور انوکھا خیال ہمیں سوجھتا تو جیسے اور لوگ عموماً خیال کے اس مہمان پرندے کو اپنی ڈائری میں قید کر لیتے ہیں، ہم اِس فائل میں اپنے اِس مہمان خیال کو چند سطروں میں نقش (کمپوز) کر دیتے۔ بعد میں جب وقت ملتا تو اِن بکھرے بکھرے خیالات کو تحریر کے روپ میں ڈھال لیتے۔

چار پانچ سال تک ہمارا یہی معمول چلتا رہا۔

اِس فولڈر نے تحریر کے سفر میں ہمارا بہت ساتھ دیا، لیکن نومبر ۲۰۱۵ء میں جناب اشتیاق احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اچانک رحلت کی وجہ سے پہلے سے موجود تین رسائل کے ساتھ ساتھ جب بچوں کا اسلام کی ذمے داری بھی ہمارے نحیف کاندھوں پر آ گئی تو ادارتی مصروفیات کی وجہ سے پھر کوئی تخلیقی تحریر کم ہی لکھی گئی۔

اب سوچتے ہیں تو ان آٹھ برسوں میں بچوں کے لیے بس ایک ناول، چند کہانیاں، ایک سفرنامہ، دونوں رسائل کے اداریے، زبان و بیان سلسلہ یا پھر فیس بک پر ہی کچھ ٹوٹا پھوٹا لکھ سکے ہیں۔

اچھا کوئی قاری کہہ سکتا ہے کہ اتنے میگزین کی ذمے داری سر لی ہی کیوں گئی؟

تو سچی بات ہے کہ شوق سے یہ ساری ذمے داریاں نہیں لی گئیں، بس انھیں پیشہ ورانہ مجبوری کہہ لیجیے۔ آخر زندگی کی ذمے داریاں بھی تو اٹھانی تھیں۔

خیر اُس دن ''آئیڈیاز'' والی فائل میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تحریر کے جو مرکزی خیالات چند سطروں میں لکھے ہوئے ہیں، وہی سو سے اوپر ہیں۔

یعنی سوسوا سو تحریریں جن میں طنز و مزاح، مشاہدہ، آپ بیتی، انشائیہ، افسانہ اور کہانی سبھی ہیں جو اب تک لکھی نہیں جا سکیں۔

نیز اس فولڈر میں دو ادھورے ناول (جن میں ایک سائنس فکشن اسی فیصد مکمل ہے)، درجن اُدھ کچی کہانیاں، اور بھی بہت کچھ ہے جو سب ادھورا ادھورا سا ہی ہے۔

یہی نہیں؛ گزرے برسوں میں کتابوں سے بھی ہماری بہت قریبی اور گہری دوستی رہی ہے۔ یاد ہے کہ ایک سال میں پندرہ بیس بہت اچھی کتابیں پڑھ لی جاتیں جن میں دنیا کا بہترین ادب شامل ہوتا، مگر یہ بہت اچھا معمول بھی تقریباً چھوٹ گیا۔

گویا پچھلے سات برسوں میں ہم نے آپ قارئین کو تو بارہا یہ ترغیب دی کہ کتابیں پڑھیں مگر خود شاید سات کتابیں ہی بمشکل پڑھ سکے ہوں۔

اب ہوا یوں کہ دو دن قبل محسن حیات شارف بھائی اور گل رعنا صدیقی بہن کی ۲۰۲۳ء میں پڑھی گئی کتابوں کی فہرست دیکھ کر سچی بات ہے کہ دنگ ہی رہ گئے۔

دونوں پر انتہا کا رشک آیا اور خود پر شدید افسوس بھی۔

سو مارے حسد مم مطلب رشک کے ہم نے بھی ۲۰۲۴ء کے لیے اپنا یہ ہدف مقرر کر لیا ہے کہ:

۱۔ ایک تو روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ ضرور کسی کتاب کے ساتھ گزارنا ہے۔

۲۔ اپنی منتشر بکھری ہوئی لائبریری کو دوبارہ منظم کرنا ہے۔

۳۔ کم از کم ایک گھنٹہ اپنے اس فولڈر میں موجود خیال کے خزانے کو الفاظ کا روپ دینا ہے تاکہ اگلے سال کم از کم ایک ناول اور انشائیے کی ایک کتاب تو ضرور چھپ جائے!

۴۔ نیز اپنی بے پناہ ادارتی مصروفیات کو بھی کسی نہ کسی طرح کم کرنا ہے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے کراچی کتب میلہ پر ہم بھی اپنی پڑھی کم از کم دو درجن کتابوں کی فہرست آپ کو بتائیں گے۔

چلیے پھر سال کے آخری دن آپ لوگ بھی ہمت کر کے ارادے میں نام لکھوا دیجیے۔

والسلام

محمد فیصل شہزاد

نمازِ فجر کی اہمیت

مولانا عبدالماجد۔ کراچی

صبح کا وقت غافلوں، کاہلوں اور منافقوں کی میٹھی نیند کا ہوتا ہے۔ اُس وقت وہ بڑے آرام سے سوتے ہیں۔ رات کو دیر سے سونا دراصل فیشن میں داخل ہوگیا ہے۔ صبح کو جلدی اٹھنا اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونا ایسے لوگوں کے لیے بہت مشکل اور بھاری ہوتا ہے۔ اسلام نے رات گزر جانے کے بعد صبح صادق کے وقت جو سب سے پہلی نماز مقرر کی ہے وہ ''نمازِ فجر'' ہے۔ صبحِ صادق بڑا بابرکت وقت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں سے، نیکوں کو بدوں سے، ہوشیاروں کو غافلوں سے الگ کرنے اور اُن میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے نمازِ فجر فرض کی ہے تاکہ لوگ غفلت کو چھوڑ کر اللہ سے اپنی محبت اور فرمانبرداری کا ثبوت پیش کریں۔ صبح کی نماز کے وقت فرشتوں کا پہرہ بدلتا ہے، جب وہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے:

''جب تم گئے تھے، بندے کیا کر رہے تھے اور جب تم آئے تو کس حال میں تھے؟''

فرشتے عرض کرتے ہیں: ''ہم نے آتے اور جاتے وقت انھیں نماز میں دیکھا۔''

ارشاد ہوتا ہے: ''اے فرشتو! یہ وہی انسان ہیں جنھیں تم نے فساد کرنے اور خوں ریزی کرنے والا کہا تھا، تم گواہ رہو کہ میں نے انھیں بخش دیا۔''

دنیا والے جب صبح کو بیدار ہوتے ہیں تو اپنے دنیاوی دھندوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک پیشہ ور اپنے پیشے کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ دُکان دار اپنی دکان کی فکر کرنے لگتا ہے، نوکر اپنی نوکری کے دھیان میں ہوتا ہے۔ فجر کی نماز کی یہ حکمت ہے کہ جنھیں اللہ سے زیادہ محبت ہے، وہ سب سے منہ موڑ کر اللہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کا ثبوت دیتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی خوشنودی عزیز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو عشاء کی نماز باجماعت ادا کرے گا، اسے آدھی رات کی عبادت کا ثواب ملے گا اور پھر صبح کی نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کرے گا، اسے تمام رات عبادت کا ثواب ملے گا۔'' (مسلم شریف)

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ صرف عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے والے کو ''قائم اللیل''، یعنی ساری رات عبادت گزار شمار کیا۔

☆☆☆

درود و سلام کے مسنون صیغے 11

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد السعید" کے نام سے صلوٰۃ وسلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت لکھتے ہیں: "جو صیغے صلوٰۃ و سلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔"

انہی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود وسلام کا ایک صیغہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروایئے۔ اس طرح درود وسلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر از روئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا گیارھواں صیغہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

سلام کا گیارھواں صیغہ:

اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.

***

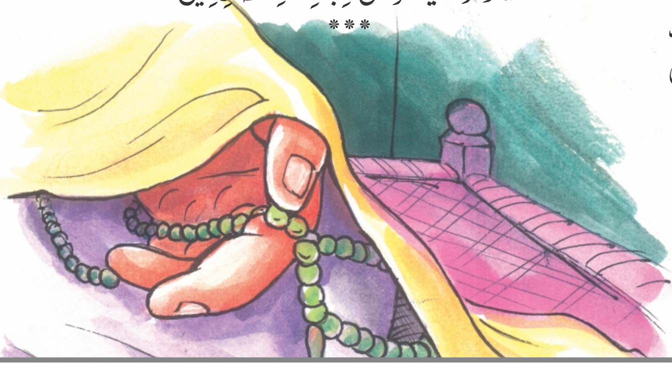

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے
انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

(آخری حصہ)

وہ بچہ گیا کہاں؟

احمد حاطب صدیقی

اسی وقت دینو چاچا کی موٹر سائیکل پھٹ پھٹ کرتی ہوئی ہوٹل کے پاس آن کھڑی ہوئی۔ نور ماما کہہ رہے تھے: ''مجھے تو بڑی محبت آتی ہے اُس بچے کی۔ جب سلام کرتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ دُکان سے باہر نکل کر اسے گود میں اٹھالوں۔''

دینو چاچا کے کان میں یہ بات پڑی تو جھٹ بول پڑے:

''ارے تم لوگ احمد کی بات تو نہیں کر رہے ہو؟''

''کیا اُس بچے کا نام احمد ہے؟'' اختر صاحب نے پوچھا۔

''وہی بچہ ناں، جو سب کو 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ' کہتا ہے؟...... ہاں احمد ہی ہے اس کا نام۔ میں روزانہ اُس کے گھر دودھ پہنچاتا ہوں۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔''

دینو چاچا نے بتایا تو سب چونک اُٹھے۔

''ارے میاں تو بتاؤ نا کہ وہ اچھا لڑکا آخر گیا کہاں؟'' اختر صاحب نے پوچھا۔

''دینو بھائی! وہ گڈّے جیسا لڑکا گیا کہاں؟'' نور ماما نے پوچھا۔

''ارے دینو میاں! بہت ہی معصوم بچہ ہے، جلدی بتاؤ وہ گیا کہاں؟'' انکل حامد نے پوچھا۔

''ہاں ہاں! دینو بھائی بتاؤ نا، وہ لڑکا گیا کہاں؟'' آنٹی نے پوچھا۔

''میں تو صبح ہی سے پوچھ رہا ہوں کہ وہ لڑکا گیا کہاں؟'' کریمو چاچا نے پوچھا۔

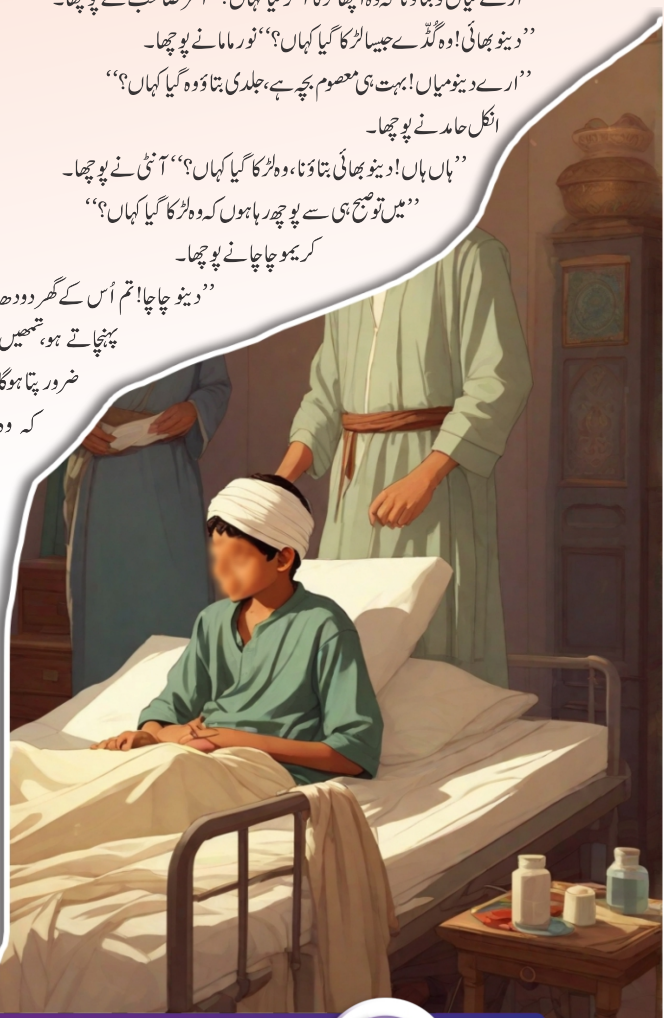

''دینو چاچا! تم اُس کے گھر دودھ پہنچاتے ہو، تمھیں ضرور پتا ہوگا کہ وہ لڑکا گیا کہاں؟'' حلوے والے لڑکے نے پوچھا۔

اتنی دیر میں اتنے لوگوں کا جمگھٹا دیکھ کر گل مرجان بھی اپنے کیبن سے باہر نکل آیا:

''یَرا، وہ بڑا آچّا باچّا اے۔ کِدر اے دِین محمد خان وہ باچّا؟ اُس کا خیر خیریت بتاؤ۔''

اور دینو چاچا دھیمے لہجے میں صرف اتنا کہہ سکے: ''خیر، خیریت نہیں ہے!''

☆......☆

آج اسپتال میں اُس کا چوتھا دِن تھا۔

ڈاکٹر، نرسیں، مریض اور مریضوں کے ملاقاتی، اِن چار دنوں میں سب اُس بچے کے دیوانے ہو گئے تھے۔ اُسے ہوش میں آئے آج تیسرا دِن تھا۔ ان تین دنوں میں بھی وہ جس کو دیکھتا، ایک ہی بات کہتا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''

احمد نے ساتھ والے مریض کے ساتھ بیٹھی ہوئی جن خاتون کو سلام کیا تھا، وہ اُس کے پٹیوں سے بندھے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے رک گئیں۔

پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر بولیں:

''وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو، جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔''

''بہن! کیسے چوٹ لگی تمھارے منے کو؟''

خاتون نے پوچھا تو احمد کی امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''کیا بتاؤں بہن؟ کچھ میری اپنی غلطی، کچھ قسمت کا لکھا۔ میں باورچی خانے میں کھڑی تھی۔ اوپر والی دو چھتی سے کچھ چیزیں اُتار رہی تھی۔ اس نے دیکھا تو کہا، امی ٹھیریں، میں اُتار دیتا ہوں۔ میں نے اسے منع نہیں کیا۔ یہ اوپر چڑھ گیا۔ چیزیں اُتار کر مجھے دیں۔ خود اُترنے لگا تو پھسل گیا اور سر کے بل فرش پر آ رہا، سر پھٹ گیا۔ خون کی ایک دھار نکلی اور یہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے ابو ایک کارخانے میں مزدوری کرتے ہیں۔ وہ اپنے کام پر گئے ہوئے تھے۔ میں گھر میں اکیلی تھی۔ جلدی سے اپنا ایک دوپٹہ پھاڑ کر اس کے سر پر باندھا اور اسے گود میں اُٹھا کر بھاگی۔ اتنے بڑے بچے کو گود میں اُٹھا کر بھاگنا، وہ بھی پریشانی سے بدحواس ہو کر، میرا تو سانس پھول گیا۔ گلی سے نکل کر سڑک پر آئی تھی کہ ایک گاڑی رُکی۔ گاڑی والے نے دیکھتے ہی کہا: 'ارے! یہ تو سلام کرنے والا بچہ ہے' اُس نے مجھ سے کہا کہ بہن! گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ وہی رحمت کا فرشتہ اسے اسپتال لے آیا۔ کچھ دیر وہ یہاں رُکا رہا۔ پھر ڈاکٹر سے کچھ کہہ سن کر چلا گیا۔ اُس دن تو یہ بے ہوش ہی رہا۔ سب ڈاکٹر باری باری آ کر اس کو دیکھتے تھے۔ کہتے تھے کہ بارہ گھنٹے کے اندر اندر ہوش میں آ گیا تو بچ جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُسی رات ہوش میں آ گیا تھا۔ اُس وقت اِس کے ابو بھی آ چکے تھے۔ وہ گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر کھلا ہے۔ ماں بیٹا دونوں گھر سے غائب۔ میرے موبائل پر فون کیا تو موبائل گھر ہی میں بج رہا تھا۔ اتنی پریشانی میں ہوش کسے تھا موبائل ساتھ لانے کا؟ وہ تو محلے کی کسی بچی نے دیکھ لیا تھا کہ میں زخمی بچے کو لے کر بھاگی چلی جا رہی ہوں۔ اُسی نے اُن کو بتایا۔ وہ ڈھونڈتے ڈھانڈتے اسپتال آ پہنچے۔ یہاں ہمارا تو کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔''

''اللہ اسے زندگی دے۔ تم فکر نہ کرو بہن! تم اکیلی نہیں ہو۔ ہم جو ہیں تمھارے ساتھ۔'' خاتون نے احمد کی امی کو دلاسا دیا۔

''ہم بھی اس کے ساتھ ہیں، السلام علیکم بیٹا! لو یہ دوائی پی لو، شاباش!''

ایک نرس نے آ کر احمد کو سلام کیا اور دوا چمچ میں اُنڈیلی۔

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!''

احمد نے چمچ منہ میں لینے سے پہلے نرس آنٹی کو پورا جواب دیا۔

نرس کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اتنے میں باہر سے کچھ شور شرابا سنائی دیا۔

کچھ لڑائی جھگڑے کی آوازیں آنے لگیں۔ جنرل وارڈ کے سارے مریض ڈر گئے۔

''الٰہی خیر! یہ کیا ہنگامہ ہو رہا ہے؟''

کچھ مریضوں کے تیماردار اُٹھ کر دوڑتے ہوئے باہر کو بھاگے۔

''سیکورٹی گارڈ سے کچھ لوگوں کی لڑائی ہو رہی ہے۔''

ایک لڑکی نے آکر اپنی امی کو اطلاع دی۔

''کیوں لڑائی ہو رہی ہے؟''

ایک مریض نے پوچھا تو اُسی وقت اندر داخل ہونے والی ایک عورت نے بتایا کہ:

''بہن! سمجھو پورا جلوس دروازے پر کھڑا ہے جو اسپتال کے اندر آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سیکورٹی گارڈ انھیں منع کر رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ تم اتنے سارے لوگ کہاں سے آگئے ہو؟ کیوں اندر جانا چاہتے ہو؟ کیا اسپتال پر حملہ کرنے آئے ہو؟''

''آخر کیوں آئے ہیں یہ لوگ؟'' احمد کی امی بھی پریشان ہو گئیں۔

اتنے میں ایک مریض کے ساتھ آئے ہوئے لڑکے نے وارڈ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آنکھوں دیکھا حال سنانا شروع کر دیا:

''اسپتال کے سارے ڈاکٹر آگئے ہیں، بڑا ڈاکٹر بھی آگیا ہے، لو جی ڈاکٹروں کے ساتھ وہ سب کے سب اندر آرہے ہیں، بھاگو۔''

احمد کی امی نے دیکھا کہ واقعی پورا جلوس تھا جو جنرل وارڈ میں گھسا چلا آرہا ہے۔

سفید سفید ایپرن پہنے ہوئے ڈاکٹر اور نرسیں بھی اس جلوس میں شامل ہو گئی ہیں۔

پھر یہ سارا جلوس احمد کے بستر کی طرف مارچ کرتا ہوا چلا آیا اور آواز سے آواز ملا کر ایک ساتھ بولا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!''

احمد چونک گیا اُس نے لیٹے لیٹے کہا: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!''

اور پھر یکا یک اُٹھ کر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔

پورا جلوس احمد ہی سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ آگے آگے دینو چاچا تھے۔ ان کے ہاتھ میں شیشے کی بوتلیں اور بوتلوں میں دودھ بھرا ہوا تھا۔

دینو چاچا کے پیچھے پیچھے کریمو چاچا اور حلوے والا لڑکا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں حلوے کے لفافے تھے۔ نور کریانہ والے نور بھائی بسکٹوں اور ٹافیوں کے ڈبے لے کر آئے تھے۔ 'کتاب گھر' والے حامد انکل کے ہاتھوں میں مزے مزے کی کہانیوں کی کتابیں تھیں۔ اختر فارمیسی والے اختر صاحب جوس کے پیکٹ لائے تھے اور بڑے ڈاکٹر صاحب سے کہہ رہے تھے:

''ڈاکٹر صاحب! اس بچے کے لیے جس دوا کی بھی ضرورت ہو، اگر مہنگی سے مہنگی دوا کی بھی ضرورت ہو تو آپ بے جھجک لکھ دیجیے، دوائیں میں لا کر دوں گا۔''

چوڑیوں اور کھلونوں کی دکان والی خالہ نے آتے ہی احمد کو لپٹا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بہت سارے کھلونے اُس کے بستر پر ڈھیر کر دیے۔

گُل مرجان خان بھی احمد کے لیے چلغوزے، مونگ پھلی، گزک اور خشک خوبانیاں لے کر آیا تھا کہ ''دا..... وَالہ..... (یہ لو!)..... یہ سارا تُم کائے گا احمد خان!''

اتنے ہی لوگوں پر بس نہیں۔ ابھی یہ لوگ جنرل وارڈ میں ہجوم لگائے کھڑے تھے کہ اتنے میں مولانا صاحب، قاری صاحب اور بابا جی بھی وارڈ میں داخل ہو گئے۔

تینوں کے ہاتھوں میں پھلوں کے لفافے تھے۔

مولانا صاحب لوگوں کو بتانے لگے:

''میں کسی ضرورت سے بازار آیا تو دیکھا کہ دکانیں بند ہیں۔ ارے حضرت! عام دنوں میں؟..... اور وہ بھی شام کے وقت؟..... ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ تمام دکانیں ایک ساتھ بند ہو جائیں۔ ہڑتال کے دنوں میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ محلے کے اندر کی دکانیں بھی سب کی سب بند ہو جائیں۔ خیر، ایک چوکیدار نے بتایا کہ سارے لوگ احمد کو دیکھنے کے لیے اسپتال گئے ہیں اور سب نے اکٹھے ہی جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ احمد کون؟ میں ابھی پوچھ ہی رہا تھا کہ قاری صاحب آگئے۔ قاری صاحب نے بتایا کہ احمد وہی بچہ ہے جو سب کو 'پورا سلام' کرتا ہے اور مسکرا کر دیکھتا ہے۔ اتنے میں حاجی نور محمد صاحب بھی آگئے۔ (وہی حاجی صاحب جن کو احمد 'بابا جی' کہتا تھا)۔ ہمیں چوکیدار سے یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ بچہ زخمی ہو گیا ہے اور اسپتال میں داخل ہے۔ لہٰذا ہم تینوں بھی فوراً یہاں آگئے۔''

اب مولانا صاحب، قاری صاحب اور حاجی نور محمد صاحب بھی احمد کے بستر کے قریب پہنچے۔ وہی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''..... اور..... ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' کا مقابلہ بلکہ میچ ہوا۔

بابا جی نے کہا:

''احمد بیٹا! تم تو مجھ سے ہر طرح سے جیت گئے۔ دیکھو! کتنے لوگوں کے دلوں میں اللہ نے تمھاری محبت ڈال دی ہے۔ یہ ساری محبت صرف اور صرف سَلام کی محبت ہے۔''

اس کے بعد مولانا صاحب نے احمد کے لیے اور اسپتال میں موجود باقی سب مریضوں کی جلد صحت یابی کے لیے عربی اور اُردو میں بہت دیر تک دعائیں کیں۔

سب لوگوں نے آمین کہی۔

جب یہ سب لوگ واپس جانے لگے تو ساتھ والے مریض کے ساتھ والی خاتون نے کہا:

''بہن! تم تو کہہ رہی تھیں کہ یہاں ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے، پھر اتنے لوگ کہاں سے آگئے؟''

''مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا بہن کہ اتنے لوگ اور اتنے بڑے بڑے لوگ میرے بچے سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ بہن! یہ سب 'سلام کے رشتے دار' ہیں۔ حاجی صاحب نے سچ کہا ہے، یہ ساری محبت صرف اور صرف سلام کی محبت ہے۔''

حلوے والا لڑکا دروازے سے نکل رہا تھا کہ اُس نے ایک ڈاکٹر کو کہتے سنا:

''حیرت ہے۔ اتنے سارے لوگ اتنے سارے تحفے تحائف لے کر اس بچے کو دیکھنے کے لیے، صرف اس وجہ سے آئے ہیں کہ یہ بچہ انھیں روزانہ سلام کرتا تھا؟''

یہ سن کر حلوے والے لڑکے سے چپ نہ رہا گیا، جاتے جاتے کہنے لگا:

''ابھی تم نے دیکھا کیا ہے ڈاکٹر صاحب؟ کل جب میں اس کے اسکول میں جا کر بتاؤں گا پھر دیکھنا..... سلام کی محبت!..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!''

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گیارہویں سینچری

(حصہ دوم)

مختار احمد۔ملتان

کہانیاں: اِن سوشماروں میں مختلف موضوعات پر رنگی برنگی سبق آموز کہانیاں شائع ہوئیں۔

قسط وار: قسط وار کہانیوں میں 'نیا خواب' از ن ش لاہور، 'ایک دن کا مدیر' از آمنہ خورشید، 'کایا پلٹ' از فضیل فاروق، 'پیغام کا راز' از آئی جی غلام رسول زاہد، 'قید تقدیر' از رفعت سعدی، 'ایک کہانی بڑی نرالی' از چچا مائل خیر آبادی۔ اِن شماروں کے سرورق بھی انہی کہانیوں پر بنے۔

والدین کے متعلق: 'سپر ہیرو' از نگینہ، 'نائب قاصد' از آئی جی غلام رسول زاہد، 'بھلا بتاؤ' از عائشہ غضنفر اللہ، 'معاف کردیں ابو جی' از عائشہ تنویر، 'خونی' از بنت عبدالخالق، 'انمول ڈھال' از محمد عفان سلیمی، 'جذباتی فیصلہ' از احمد فراز، 'خوب صورت عہد' از عظمیٰ تبسم اور 'گھنی چھاؤں' از فوزیہ خلیل۔

مزاحیہ کہانیاں اور تحریریں: ان سوشماروں میں بہت سی مزاحیہ کہانیاں اور تحریریں شائع ہوئیں۔ اُن میں سرفہرست بھائی شاہد فاروق پھلور صاحب ہیں جن کی دس تحریریں شائع ہوئیں جن میں سے چھے نیوز چینل اور چار دوسری تحریریں ہیں۔ نیوز چینل شمارہ ۸۸ اور ۸۷، ۷۳، ۷۲ اور ۱۰۶۵ میں جبکہ بقیہ چار مزاحیہ مضامین بعنوان 'حسابی کیڑا، ٹیڑھی دُم والے، ہائے یہ کمیٹی اور ساگ شائع ہوئے۔ 'میاں طرح دار' از حسن عابدی، 'فیل کردیا' از پروفیسر سید مجیب ظفر انوار حمیدی، 'ڈر' از ندیم تابانی، 'ہم کریں گے کاروبار' از نائلہ صدیقی، 'منے میاں کی آن لائن کلاس' از بینا صدیقی، 'گولی اور گوال' از ابنت سطور، 'گائے کی دستک' از ارحم قمر، 'وہ ڈبہ' از وردہ کالس، 'ہے کوئی تک' ماوراگل، 'گدھا بے چارا' از عشوا رانا، 'بونگا مدیر' از الیاس نواز، 'مشہور مصنفہ' اور 'جوتے کہاں گئے؟' از تماضر ساجد۔ اسی طرح 'پائیں باغ' از عشرت جہاں، 'بلی اور ہم' از راحیل یوسف، 'بنا سر پیر کے خط' محمد حذیفہ اکرام، 'بجو کا جن' از شیخ بلال احمد قادری اور 'ہم بھی کچھ عرض کریں' از سویرا چوہدری شائع ہوئیں۔

شرارت اور سزا: 'ہم نے سیکھی موٹر سائیکل' از معاویہ آصف، 'منا' از سعدیہ ارشد، 'ایک شرارت' از انیسہ عائش، 'پراعتماد بچے' از بینا صدیقی اور 'ایک شرارت' از زاہدہ عروج تاج شائع ہوئیں۔

جرم وسزا: 'پیکٹ کا راز' اور 'امیر کبیر' از آئی جی غلام رسول زاہد، 'اُڑتی چڑیا کے پر' از سعید لخت، 'ایک لفظ کی غلطی' از ابن آس محمد اور 'بے زبانوں کا چور' از غلام حسین میمن شائع ہوئیں۔

جذباتی کہانیاں: والدین سے متعلق کہانیاں بھی جذباتی ہی تھیں لیکن انھیں الگ درج کیا ہے، ان کے علاوہ جذبات میں گندھی کہانیاں 'کیا یہ بڑوں کی کہانی ہے؟' از جاوید بسام ۱۰۵۲ میں، 'سمور کا کوٹ' از ڈاکٹر سارہ الیاس ۱۰۶۴ میں، 'باہر بہت ٹھنڈ ہے' از پروفیسر محمد اسلم بیگ ۱۰۶۲ میں، 'گردیپ سنگھ' از علی اکمل تصور ۱۰۹۵ میں اور 'ٹیپو کی تلوار' از محمد اکمل معروف ۱۰۷۷ میں شائع ہوئیں۔

مرحومین کی یاد میں: ان سوشماروں میں بہت سی ایسی تحریریں بھی شائع ہوئیں جن میں لکھنے والوں نے اپنے کسی عزیز اور پیارے کی یادوں کو بانٹا۔

اشتیاق احمد رحمہ اللہ: سب سے پہلے پروفیسر محمد اسلم بیگ صاحب نے شمارہ ۱۰۰۲ میں 'اور امید بر آئی' کے ذریعے مرحوم کو یاد کیا، پھر 'وہ زندہ ہیں' فاطمہ شاہد کی مختصر سی تحریر ۱۰۴۷ میں، 'ایک خوب صورت کردار' از بنت احمد ۱۰۵۷ میں، 'اشتیاق احمد کے شہر میں'، از محمد زبیر حسین ۱۰۶۹ میں۔

باقی مرحومین: ۱۰۱۳ میں 'مثل شمس وقمر' کے عنوان سے پروفیسر محمد اسلم بیگ نے اپنے معتقد اور بن دیکھے دوست عبداللہ شمس سے تعلق اور ان کی وفات کا تذکرہ کیا اور ۱۰۹۱ میں ڈاکٹر نوید احمد کی اچانک وفات کا ذکر کیا۔ علاوہ ازیں 'قرآن کے عاشق' از حافظ شبیر احمد، 'جو بیج بویا تھا' از اہلیہ مفتی ظہور احمد عباسی ۱۰۳۱ میں، شمارہ ۱۰۳۴ میں بعنوان 'عارضی جدائی' میں مفتی آصف محمود قاسمی نے اپنے کئی پیاروں کی یاد تازہ کی۔ اسی طرح شمارہ ۱۰۳۵ میں 'گلشن تیری یادوں کا مہکتا رہے گا' بنت درخواستی نے اپنے دادا حضرت مولانا مطیع الرحمن درخواستی نور اللہ مرقدہ کا مشک بار تذکرہ کیا۔ 'میرے پیارے بابا' از جویریہ ابوبکر ۱۰۵۰ میں اور 'میرے بابا جان' از ابن فاضل ۱۰۶۱ میں، 'اللہ رسول راضی ہووی' از حافظ عبدالرزاق ۱۰۵۱ میں اور حافظ صاحب ہی نے شمارہ ۱۰۹۸ میں 'بوسۂ جدائی' اپنے تین احباب کو خوبصورت الفاظ میں یاد کیا۔

مختصر مختصر تحریریں: بچوں کا اسلام ایسا مفید اور قیمتی رسالہ ہے کہ اس میں سبق آموز کہانیاں اور دلچسپ مضامین تو ہوتے ہی ہیں لیکن مختصر اور چھوٹی چھوٹی تحریریں بھی کمال کی ہوتی ہیں۔ ان سو شماروں میں بھی بہت سی مختصر تحریریں شائع ہوئیں، ان میں سے چند تحریروں کا تذکرہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے۔ 'انسلٹ' از اخت محمد، 'گھر کے چراغ' از عندلیب الاسلام، 'چاول کا ایک دانہ' از ابن یاسین۔ 'قطرہ قطرہ' از اہلیہ شاہد حسین، فی البدیہ از مرزا عطاء الرحمن بیگ، 'حکمت' از اقراٗ فرید، 'عزت نفس' از حافظ محمد احمد بن عرفان الحق، 'اذان' از حور عینا، اور حفصہ بی بی ٹیکسلا کی 'بے تکی تحریر' شمارہ ۱۱۰۰ میں شائع ہوئیں۔

سفرنامہ: ان سوشماروں میں عمرے کے دو سفرنامے بھی نذرِ قارئین ہوئے۔ پہلا 'رب نے در پہ بلالیا' از جناب آصف مجید نقشبندی کا مرحوم اشتیاق احمد کے ہمراہ عمرے کا سفر جس کا تذکرہ شمارہ ۱۰۵۲ سے شروع ہوکر ۱۰۶۷ میں ۱۴ اقساط کا ہوکر مکمل ہوا۔ دوسرا سفرنامہ بعنوان 'ان کے کوچے میں' از جناب فضیل فاروق شمارہ ۱۰۸۷ سے شروع ہوا اور ۱۱۰۰ تک اس کی ۱۴ اقساط شائع ہوئیں۔ اِن دو کے علاوہ 'جب بلاوا آیا' کے عنوان سے شمارہ ۱۰۷۲ میں پروفیسر محمد اسلم بیگ نے جبکہ 'دروازہ کھلا ہے' کے عنوان سے شمارہ ۱۰۸۱ میں جناب ایوب اسماعیل نے عمرے اور حج کے سفر کا مختصر مگر مشک بار ذکر کیا۔ اور ہاں 'سرزمین حجاز پر اللہ کے دوستوں سے ملاقات' شمارہ ۱۰۸۵ میں حافظ عبدالرزاق خان نے اپنے عمرے کے سفر میں پروفیسر محمد اسلم بیگ سے ملاقات اور ان کی فیملی کے ہمراہ اڑائی دعوت کا حال خوب صورت الفاظ میں کیا۔

دیگر مختصر اسفار میں شمارہ ۱۰۱۴ کی سرورق تحریر محترمہ قانتہ رابعہ کی 'نیا نکور نوٹ' میں انھوں نے اپنے خاندان کے ایک تفریحی اور حیرت انگیز سفر کی روداد سنائی، ساتھ ہی میرے شہر ملتان کا بھی ذکر کیا جسے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ 'یک نہ شد دو شد' میں پروفیسر محمد سلم بیگ صاحب نے اور 'خوشگوار یادیں' میں عثمان حمید نے اپنے مختصر سفر کی روداد شمارہ ۱۰۱۲ میں لکھیں۔ 'جب میری آنکھ کھلی' از محمد احمد ۱۰۲۱ میں، بھائی فضیل فاروق کا اندرون سندھ کا سفر ۱۰۴۶ میں، 'ہوشیار رہیں' از محمد اقراش عاصم ۱۰۸۸ میں، 'جو شخص چاہے' از ابوبکر عباسی ۱۰۹۵ میں، 'فورٹ منرو' از یمنیٰ امجد ۱۰۵۶ میں، 'محبتوں اور رحمتوں بھرا سفر' از حافظ عبدالرزاق خان صاحب کا کراچی کا سفر ۱۰۲۸ میں۔

میرا سوہنا شہر: اس گیارہویں سینچری میں صرف سات شہروں کا تعارف شائع ہوا۔ 'ہزارہ کا نظارہ' از ام محمد ۱۰۰۳ میں، 'احمد پور شرقیہ' از یمنیٰ امجد ۱۰۰۷ میں، 'سرگودھا' از آمنہ مریم ۱۰۰۹ میں، 'گھوٹکی' از محمد ارسلان صدیقی ۱۰۳۵ میں، 'مری' از عبدالمعز ظفر العباسی ۱۰۴۴ میں اور 'شیخوپورہ' از احسان اللہ فاروقی ۱۰۷۸ میں۔

قبولِ اسلام: ایسی تحریریں جن میں کسی کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ تھا وہ دو ہیں۔ ایک 'اللہ کی بات' از محمد اسحاق مصطفیٰ ۱۰۳۴ میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر کے قبول اسلام کا واقعہ مذکور ہوا جبکہ تحریر 'دینِ رحمت' ۱۰۶۷ میں بیلجیم کی ۹۱ سالہ خاتون جیور گاٹ لو بپول کے قبولِ اسلام کا واقعہ مذکور ہوا۔

شاعری: اس حصے میں سرفہرست اثر جون پوری صاحب تھے جن کی کل ۵۵ نظمیں شائع ہوئیں جن میں ۱۵ نظمیں آم کے متعلق تھیں۔ ان کی ایک نظم 'اشک کی برسات' دو مرتبہ شائع ہوئی ۱۰۴۴ اور ۴۶ میں بھی۔ دوسرے نمبر پر چچا مائل خیر مائل آبادی رہے جن کی سات نظمیں شائع ہوئیں۔ تیسرے نمبر پر خرم فاروق ضیاء ہیں جن کی تین نظمیں شائع ہوئیں۔ سید ضمیر جعفری، مولانا اسامہ سرسری اور اسماعیل میرٹھی کی دو دو نظمیں شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ احمد حاطب صدیقی، کیف احمد صدیقی، عصمت جہاں صدیقی، نادر صدیقی، مظفر حنفی، محمد علی ظہوری، سیماب اکبر آبادی، عادل اسیر دھلوی، سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، منور بدایونی، حفیظ تائب اور دیگر کئی شعراء کا کلام بھی شائع ہوا۔ تمام نظمیں

اپنی مثال آپ تھیں لیکن ریحان طائر کی نظم بچوں کا اسلام کے متعلق 'رب کا ہے انعام' ۱۰۰۴ میں انتہائی خوب صورت اور کمال نظم تھی۔

انٹرویو: گیارھویں سنچری میں ایک ہی انٹرویو شائع ہوا، جو جناب عتیق احمد صدیقی کا ۱۰۳۰ سے ۱۰۳۵ تک چھے اقساط میں شائع ہوا جس میں تقریباً بیالیس قارئین نے چھیانوے سوالات پوچھے۔ انٹرویو کے ذریعے صدیقی صاحب کی شخصیت کے بارے میں دلچسپ معلومات حاصل ہوئیں۔

لکھاری: ان سو شماروں میں سب سے زیادہ حافظ عبدالرزاق خان صاحب کی تحریریں اور کہانیاں (۳۳) شائع ہوئیں، جن میں ایک تحریر محبتوں اور رحمتوں بھرا سفر دو قسطوں میں تھی۔ اس طرح حافظ صاحب ۳۴ شماروں میں پائے اور چھائے رہے۔ حافظ صاحب کا اندازِ تحریر سادہ اور تصنع سے پاک ہے۔ آپ مافی الضمیر کو بلا تکلف نوکِ قلم کے ذریعے سپردِ قرطاس کرتے اور قاری کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ حافظ صاحب کی تحریریں بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور پڑھی بھی بار بار۔ دورانِ مطالعہ بہت سے جملوں پر تعریفی کلمات بھی لکھتا رہا۔ کئی تحریروں کے پورے پورے پیراگراف قوسین میں بند کیے۔

حافظ صاحب نے تحریروں کے عنوان بھی بہت دلکش چنے ہیں۔ سب سے زیادہ خوب صورت عنوان اللہ رسول راضی ہووی اور ملتان کی راہوں کی دھول پر نثار لگے۔ جناب کی گیارہ تحریروں پر جزوی یا کلی طور پر سرورق بنے۔ دوسرے نمبر پر پروفیسر محمد اسلم بیگ صاحب رہے۔ جناب کی ۱۹ تحریریں شائع ہوئیں، جن میں ایک تحریر 'باہر بہت ٹھنڈ ہے!' تین قسطوں میں چھپی۔ اس طرح پروفیسر صاحب ۲۱ شماروں میں حاضر ہوئے۔ تیسرے نمبر پر بھائی فضیل فاروق صاحب رہے جن کی ۱۲ تحریریں شائع ہوئیں جن میں سفرنامہ عمرہ اور قسط وار کہانی بھی تھی، یوں انتیس شماروں میں حاضر ہوئے۔ محمد فیصل علی کی بھی بارہ کہانیاں شائع ہوئیں جن میں پانچ حجا، دو فقہ اور پانچ دوسری کہانیاں چھپی۔ اس سنچری میں جاوید بسام کی گیارہ کہانیوں میں سے چار پر سرورق بنے۔ اعظم طارق کوہستانی آٹھ کہانیاں اور ایک تبصرے کے ساتھ آئے۔ کاوش صدیقی صاحب آٹھ کہانیاں، حافظ دانش عارفین حیرت آٹھ، غلام حسین میمن صاحب سات، سعید لخت چھے، چچا مائل خیر آبادی تین، امجد جاوید چار، ابن آس محمد ایک ناول اور تین کہانیاں، علی اکمل تصور تین، لیاقت علی تلمبہ تین کہانیاں، احمد حاطب صدیقی، رشید احمد منیب، ڈاکٹر اسامہ زاہد، محمد ہاشم عارف میکاتی اور محمد عالم میواتی کی دو دو کہانیاں شائع ہوئیں۔ آئی جی غلام رسول زاہد صاحب کی تین کہانیاں شائع ہوئیں ایک کہانی پیکٹ کا راز چھ اقساط میں۔ سید کاشان جعفری، قدرت اللہ شہاب، صوفی غلام مصطفی تبسم، بلال خالد، عتیق احمد صدیقی، آفتاب احمد شمسی، عبدالصمد زاہد، حافظ جی، محمد سلیم چین، کمال احمد رضوی، ریاض احمد ساحل، محمد اکمل معروف، قاسم بن نظر، اشتیاق احمد، اثر جون پوری، انور کلیم، سید عاصم محمود اور ادیب علی کی ایک ایک تحریر شائع ہوئی۔

خواتین لکھاری بہنوں میں سے سرفہرست محترمہ شازیہ نور صاحبہ ہیں جن کی دس کہانیاں شائع ہوئیں جن میں سے سات چاند سیریز اور تین ثمر اجلاس ہیں۔ دوسرے نمبر پر ڈاکٹر سارہ الیاس اور محترمہ قانتہ رابعہ صاحبہ ہیں سات سات کہانیوں کے ساتھ، تیسرے نمبر پر محترمہ بنت شکیل اختر صاحبہ ہیں چھے کہانیوں کے ساتھ۔ قرأت گلستان کی دعا سیریز میں چار کہانیاں شائع ہوئیں۔ ایک اسم ایک کہانی میں ڈاکٹر میمونہ حمزہ کی بھی چار کہانیاں شائع ہوئیں۔ عمارہ اقبال اور عشرت جہاں کی بھی چار چار کہانیاں شائع ہوئیں۔ عائشہ غضنفر اللہ کی تین کہانیاں شائع ہوئیں۔ رفعت سعدی کی دو کہانیاں ان میں سے ایک کہانی تین قسطوں

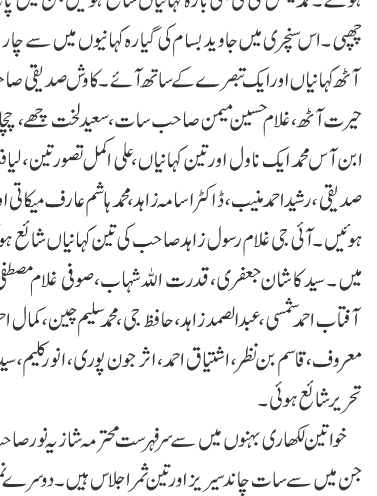

میں شائع ہوئی۔ آمنہ خورشید اور ن۔ ش لاہور کی دو دو کہانیاں، صبیحہ عماد، زاہدہ عروج تاج، طیبہ شاہد، بینا صدیقی، زیست فاطمہ، سیمی زاہد، فوزیہ خلیل، بنت نجم الدین، ام محمد اور عائشہ تنویر کی بھی دو دو کہانیاں شائع ہوئیں۔ ساجدہ غلام محمد، فرحت کلثوم انصاری، ام محمد سلمان، ماورا گل، وردہ گل، سیما انجم فرید، زوجہ عبدالوحید شہزاد، اہلیہ راشد اقبال، بنت خبیر، بنت عبدالرؤف، ہانیہ مجاہدہ، نائلہ صدیقی، گل رعنا صدیقی، عروبہ شفقت، اہلیہ شفقت، عنبر نفیس، امینہ بتو ، ناہید جعفر، خولہ غضنفر اللہ، فرزانہ چیمہ، بنت مشتاق، مریم طاہر، فائزہ حمزہ اور عمارہ حسین کی ایک ایک کہانی شائع ہوئی۔

کہانیوں کے علاوہ کچھ دیگر لکھاری حضرات وخواتین جن کی متعدد تحریریں شائع ہوئیں۔ ان میں سرفہرست ارسلان صدیقی صاحب ہیں، ان کے بعد محمد اقراش عاصم، عزیز الرحمن مدنی، احمد سدیس، نور الامین، ابوالحسن، مولانا محمد اشرف، محمد شعیب کھرڑ پکا، ابوبکر عباسی، محمد عبیداللہ، محمد سفیان اکرم، محمد علی بروہی، مطیع الرحمن متین، ابنِ وارث، یوسف عبدالرب، انیسہ عائش، یمنیٰ امجد، فاطمہ شاہد اور بنت مولوی شبیر احمد۔ (جاری ہے)

❋ ❋ ❋

بقیہ: بہاول پور

اجناس اور پھل:

یہاں زیادہ تر کپاس، گنا، گندم، سورج مکھی کے بیج، سرسوں اور چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ پھلوں میں آم، کھجور اور امرود وہ پھل ہیں جو بیرون ملک بھی بھیجے جاتے ہیں۔ سبزیوں میں پیاز، ٹماٹر، گوبھی، آلو اور گاجر شامل ہیں۔

تعلیمی ادارے:

اس شہر کی شرح خواندگی بہت زیادہ ہے۔ اس وجہ سے ملک بھر سے طالب علم یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔

مشہور دینی تعلیمی اداروں میں دارالعلوم مدنیہ، جامعۃ الصابر، جامعہ مدینۃ العلم، جامعہ صدیقیہ، جامعہ نظامیہ اور جامعہ اسعد بن زرارہ ہیں۔ جبکہ عصری تعلیمی اداروں میں صادق پبلک اسکول، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، قائداعظم میڈیکل کالج اور اسلامیہ یونیورسٹی اہم ہیں۔

اب میرے سوہنے شہر سے متعلق کچھ چیدہ چیدہ ضروری معلومات پیش خدمت ہیں:

دریائے ستلج کے جنوبی کنارے پر واقع شہر بہاول پور ملتان سے ۹۰، لاہور سے ۴۰۱، اسلام آباد سے ۷۰۰ اور کراچی سے ۸۵۰ کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔

بہاولپور کے جنوب اور جنوب مشرق میں ہندوستان کی سرحد، شمال مشرق میں بہاولنگر، اس کے شمال میں وہاڑی، لودھراں اور ملتان، مغرب میں رحیم یار خان اور شمال مغرب میں مظفر گڑھ کے اضلاع واقع ہیں۔

۲۰۲۳ء کی مردم شماری کے مطابق بہاول پور کی کل آبادی نو لاکھ بیس ہزار اور رقبہ (۲۴۶) مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں کی مقامی زبان سرائیکی ہے جبکہ اردو اور پنجابی بولنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ یہاں کا ڈائلنگ کوڈ 062 اور پوسٹنگ کوڈ 63100 ہے۔

بہاولپور کو انتظامی طور پر پانچ تحصیلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

تحصیل احمد پور شرقیہ، تحصیل بہاولپور صدر، تحصیل بہاولپور سٹی، تحصیل خیر پور ٹامیوالی، تحصیل حاصل پور، تحصیل یزمان منڈی۔

اور ہاں!

ویسے تو بہاول پور کو بہت ساری خصوصیات حاصل ہیں لیکن اُس کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ دنیا بھر میں سب سے پہلے بہاول پور کی عدالت نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ یہ تاریخی فیصلہ تین ذوالقعدہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۷ فروری ۱۹۳۵ کو سنایا گیا۔

اللہ تعالیٰ بہاول پور سمیت پورے پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کو امن، خوش حالی اور ترقی نصیب فرمائے، آمین!

ایک ہنستے بستے گھرانے کی شگفتہ روداد

مریم ظہیر

یہ داستان ہے ایک ایسے خاندان کی جس کا ہر فرد اپنی مثال آپ ہے۔

پہلے ذکر ہے کچھ ننھے میاں کا۔ اتنے معصوم اور بھولے بھالے ہیں کہ چھٹی میں آنے کے باوجود چوتھی کے طالب علم معلوم ہوتے ہیں۔ شرارتوں میں پیچھے مگر حماقت میں سب سے آگے۔ ان کے ہاتھوں گھر کی کوئی شے سلامت نہیں رہتی۔

ایک دفعہ انھیں شوق اٹھا باغبانی کا۔ اس وقت چار پانچ سال کے تھے۔ انھوں نے کیاری بنائی اور انواع واقسام کے بیج کاشت کر دیے۔ اس میں سب سے اہم بیج ایک انڈا تھا۔ گھر والوں کے سامنے انھوں نے انڈے کے پودے کا جو نقشہ کھینچا اس سے گھر کا ماحول کشت زعفران ہو گیا۔

ابو نے تو فوراً انھیں مستقبل میں جینیٹکس انجینئرنگ میں داخلے کا مشورہ دے دیا۔

اماں بی نے ننھے کو نیا نیا وضو کرنا اور نماز پڑھنی سکھائی تھی۔ ایک دن ننھے نے وضو کرنے میں بہت دیر لگا دی۔

اماں بی نے پوچھا تو کہنے لگے: ''میں نے ایک ساتھ پانچ وضو کر لیے۔''

''ارے وہ کیوں؟'' اماں بی نے حیرانی سے پوچھا۔

''اِس لیے کہ اگر ایک ٹوٹ جائے تو دوسرا تو رہے۔''

ننھے نے معصومیت سے جواب دیا۔

☆......☆

اور ایک ہیں ہماری آپا جان! آپا دھاپی کا لفظ کسی نے انھی کو دیکھ کر ایجاد کیا ہوگا۔ عینک کے ساتھ ساتھ ناک کی پھننگ پر غصہ بھی ٹکا رہتا ہے۔

کام تو انوکھے آپا بھی بہت کیا کرتیں مگر اُن کے تیور لوگوں کو ان کا ریکارڈ لگانے سے باز رکھتے۔ ایک دن گھر میں صبح سے شور تھا کہ آج آپا نہاری پکائیں گی۔ جویریہ نے ہرا مصالحہ اور لیموں تیار کر کے رکھا۔ ننھے میاں تندور کی گرم روٹیاں لے آئے اور جب سالن پیش ہوا تو مچھلی کی تیکھی مہک نے سب کو اچھل پڑنے پر مجبور کر دیا......!

بھلا ہو اِن تیار مصالحہ جات کے پیکٹ کا۔ بے دھیانی میں آپا نے نہاری مصالحے کے بجائے مچھلی مصالحہ ڈال کر سالن تیار کر دیا۔ اب بوٹیاں مچھلی کے شوربے میں کچھوے کی طرح تیرتی اور کچھ ڈوبی ہوئی نظر آئیں۔ چٹ پٹی نہاری کے سنہرے خوابوں پر آپا نے جس طرح پھیکی مچھلی پھیری، اُس پر ہم سب صبر کے گھونٹ اور ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گئے۔ بحر و بر کے اس حسین امتزاج کو آپا نے پورے اعتماد سے کھانوں کا ارتقاء قرار دیا اور باجی سیما انجم فرید کو بذریعہ خط اس نئی ڈش کی دریافت سے آگاہ کیا۔

بچپن میں ہم نے ایک کہانی پڑھی تھی: ''کیسے کیسے نام؟''

کچھ صحیح سے یاد نہیں آ رہا کہ افروز اقبال ’صاحب‘ نے لکھی تھی یا ’صاحبہ‘ نے۔ بہر حال یہ کہانی اماں نے نہیں پڑھی ہوئی تھی ورنہ وہ اس ضمن میں محتاط رہتیں۔

ہوا یوں کہ آپا نے ڈائری سے دیکھ کر فیروز چچی کا نمبر ملایا۔ اب گفتگو ملاحظہ کیجیے گا:

فیروز: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!''

اماں بی: ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! فیروز! کہاں ہو؟ ضروری بات کرنی ہے۔''

فیروز: ''جی میں ہی ہوں، بات کیجیے۔''

اماں بی: اری فیروز! تمھاری آواز کو کیا ہوا؟''

فیروز: ''بس ذرا گلا خراب چل رہا ہے آج کل۔''

اماں بی: ''اب ایسا بھی کیا گلا خراب کہ انسان کی آواز ہی بدل جائے۔''

فیروز: ''معاف کیجیے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

اماں بی: ''لو بھئی! اب اماں بی بھی یاد نہ رہیں تم کو۔ کہیں گلے کے ساتھ یادداشت بھی تو دھوکا نہیں دے گئی؟''

فیروز: ''کون اماں بی؟''

اماں بی (ہنس کر): ''مذاق کی عادت نہیں گئی تمھاری!''

فیروز (بھرائی ہوئی آواز میں): ''معاف کیجیے گا خاتون! میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا۔''

اماں بی نے بڑی مشکل سے ہنسی کو بریک لگایا۔

''بھئی بہت ہی مزاحیہ ہو تم تو، خدا کی قسم! بالکل مردانی آواز!''

فیروز: ''اُس میں قسم کھانے کی کون سی بات ہے آخر۔''

اماں بی (ہنستے ہوئے): ''سچی بہت ہنسار ہی ہو تم۔''

دوسری طرف سے تنگ آ کر سلسلہ کاٹ دیا گیا۔

اماں بی دیر تک ہنستی رہیں، انھیں یاد بھی نہ رہا کہ فیروز چچی سے کون سی ضروری بات کرنی تھی۔

اگلے دن بھائی جان کے دوست فیروز بھائی ایک رانگ کال کی داستان سنا رہے تھے تو

بھائی جان صم بکم اُن کا منہ تکتے رہ گئے۔ ان کی فطرتی کم گوئی آڑے آ گئی جو اُن کی گھٹی میں پڑی تھی اس لیے فقط منہ تکنے پر اکتفا کیا ورنہ باتوں کی وضاحت کر دینا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

☆......☆

اور بھائی جان کا ذکر ہوا ہے تو کیا عرض کریں؟ ایک دفعہ کا ذکر ہے جمعے کا دن تھا، دھوبی صبح ہی دھلے ہوئے کپڑے کلف لگا کر دے گیا تھا۔ بھائی جان نے جو کپڑے نکال کر پہنے تو کچھ عجیب ہی حلیہ سامنے آیا۔ کپڑے زیب تن کرنے کے بعد بھی نجانے کتنی دیر ایک جگہ پر ایستادہ خلاؤں میں تکتے رہے۔ خیر ہر قدم پر ایک نئے احساس سے دوچار ہوتے ہوئے وہ مسجد پہنچے۔ نماز کے رکوع وسجود میں احساس کا عجیب پن دوچند ہوتا گیا۔ خیر سے گھر پہنچے تو دیکھا آپا جان نے سارا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔ سہیلی کے گھر جانے کا وقت ہوا چاہ رہا ہے اور ان کا سفید کرتا شلوار نجانے کہاں چلا گیا ہے۔ ابھی تو نیا سلوا کر دھوبی کو کلف لگانے دیا تھا!

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اُس وقت بھائی جان پر گھیر دار شلوار اور کلیوں والے کرتے کی حقیقتیں کیسے آہستہ آہستہ روشن ہوئی ہوں گی اور ان کا کھڑے کھڑے زمین میں سما جانے کا کتنی شدت سے دل چاہا ہوگا؟ مگر سلام ہے اُن کی زندہ دلی پر۔ چہرے پر فقط ایک دلربا مسکراہٹ کے سوا انھوں نے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہ کیا۔ ایک تو وہ تھے ہی فطرتاً کم گو دوسرے اس وقت حلق بھی خشک ہو چلا تھا۔

اس وقت انھیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ رکوع وسجود میں دَم گھٹنے کی وجہ اُن کے نامہ اعمال کے ساتھ ساتھ کچھ بشری کمزوری بھی تھیں، ورنہ خدانخواستہ نامہ اعمال اتنا کچھ سیاہ بھی نہ تھا۔

ویسے بھائی جان کے اخلاق کے بھی کیا کہنے۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ موجزن رہتی۔ ان کے ایک ڈیسنٹ انکل نے کہا بھی تھا کہ چاہو تو (Braces) لگوا کر آگے کے جو چار دانت باہر نکلے ہوئے ہیں انھیں سیٹ کروا لو مگر انھیں اپنے اسمائلنگ فیس سے دستبردار ہونا گوارا نہ تھا۔ ایک فائدہ یہ تھا کہ جھینپ مٹانے کے لیے انھیں الگ سے مسکرانا نہیں پڑتا تھا۔ یہ کام پہلے ہی ہو چکا ہوتا۔

ویسے تو اُن کی زندگی میں چھوٹے بڑے بے شمار واقعات رونما ہوتے لیکن جو واقعات جویریہ کی شرارتوں کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے وہ خاندان بھر میں مہینوں لطیفے کے طور پر منائے جاتے۔ مثلاً اماں بی نے ہربل ایسنس کے ٹرانسپیرنٹ شیمپو کی خالی بوتل میں کھوپرے کا تیل بھر کر رکھا تھا۔ بھائی جان اسی تیل سے اپنے سر پر چمپی کیا کرتے۔ ایک دن جویریہ نے شیمپو کی نئی بوتل لا کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی۔ بھائی جان نے جو سر جھکا کر چمپی کی تو سارے بال جھاگ میں بھر گئے۔

’’ارے میاں! کیا نہاتے ہوئے پانی ختم ہو گیا تھا؟ اسی لیے تو کہتے ہیں کالا باغ ڈیم بن جانا چاہیے۔ بے چارہ میرا بچہ سر دھونے سے ترس گیا۔‘‘

دادی اماں نے افسوس کیا اور بھائی بہن، دوستوں نے ہفتوں ریکارڈ لگائے رکھا۔

ایک رات بھائی جان کے دوستوں کی محفل بہت دیر تک جمی رہی۔ کمبائنڈ اسٹڈی چل رہی تھی۔ رات تین بجے دوست اُن سے رخصت ہوئے۔ صبح فجر کی نماز میں ان کی ملاقات دوستوں سے ہوئی تو سب یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ بھائی جان کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

’’ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو تم ٹھیک ٹھاک تھے۔ یہ چند گھنٹوں میں کیا ہو گیا۔‘‘ ایک

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صحابہ کے واقعات

★ 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
★ واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد ونصائح پر مشتمل
★ دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

صرف 810/-

تابعین کے واقعات

★ 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
★ قیمتی فوائد ونصائح پر مشتمل
★ اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

صرف 652/-

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف

اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیت العلم

کراچی فون: 021-32726509، موبائل: 0309-2228089

لاہور فون: 042-37112356

Visit us: www.mbi.com.pk maktabaibaitulilm

دوست نے پریشانی سے پوچھا۔

”بس یار! کیا بتاؤں، کچھ خاص نہیں ہوا۔“ بھائی بے چارگی سے گویا ہوئے۔

”نہیں یار! ٹانکے آئے ہیں سر پر، کوئی معمولی بات تھوڑی ہے، کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا کسی سے؟“

”نہیں بھئی، بس وہ ذرا فٹ بال کا فائنل میچ ہو رہا تھا۔ دوسرے ہاف کے چند منٹ رہ گئے تھے۔ بال ہماری ڈی میں آ گئی تھی۔ میں بال لے کر تیزی سے دوسروں کو پیچھے ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔ تماشائیوں میں سے ننھا اور جویریہ بھی ہاتھ ہلا ہلا کر نعرے لگا رہے تھے۔ مخالف ٹیم کے ایک کھلاڑی نے اچانک بال کو کک لگا دی۔ بال اوپر اچھلی، میں نے بھی اچھل کر اپنے سر سے زوردار ہٹ لگائی۔

”تو گول ہو گیا......؟“ دوست نے اشتیاق سے پوچھا۔

”ہاں......! مگر میری آنکھ بھی کھل گئی۔ دراصل جویریہ اور ننھا مجھے جھنجوڑ جھنجوڑ کر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اور ”بھائی جان! فجر پڑھ لیں“ کے نعرے لگا رہے تھے۔ میں نے جو اچھل کر کک لگائی تو سر سائیڈ ٹیبل سے ٹکرایا اور میں رضائی سمیت نیچے لڑھک گیا۔ اُدھر جویریہ بے چاری کے پاؤں میں موچ آئی ہے اور ننھے کا ہونٹ بھی سوج گیا ہے۔“ بھائی جان نے افسوس سے بتایا۔

مسجد سے واپسی پر دوستوں نے زخمیوں کی عیادت کی اور ان کی جلد صحت یابی کے لیے اجتماعی دعا کی۔

☆......☆

اور اب ذرا بات کر لیں ہماری جویریہ کی، جس کی شرارتوں سے تو ہر ذی شعور اور ذی روح پناہ مانگا کرتا ہے۔ سردیوں کی شروعات تھی لیکن اتنی بھی سردی نہیں تھی کہ ہر کوئی سی سی کرتا نظر آئے۔ آپا جان کے پاس سے تو ”اوئی“ کی آواز بھی آ رہی تھی۔ اماں بی نے غور کیا تو اپنے بچوں کے لال چقندر چہرے اور ٹماٹر ہاتھ دیکھ کر گھبرا گئیں۔

تحقیق پر ثابت ہوا کہ کولڈ کریم کی شیشی میں ایک تہ ٹوتھ پیسٹ کی جمانے والی محترمہ جویریہ صاحبہ ہیں۔

اسی طرح ہلدی کی برنی میں زردے کا رنگ اور دادی اماں کے پاندان میں چونے کی جگہ کارن فلور بھرنے کا تجربہ بھی محترمہ کر چکی ہیں۔ ایک شادی کے گھر میں چھوہارے پیک کیے جا رہے تھے۔ ہنسی مذاق بھی چل رہا تھا۔ جویریہ نے بالکل چھوہارے رنگ اور جسامت کا لال بیگ پکڑ کر تھیلی کو اسٹیپل کر دیا۔ کچھ دیر بعد خواتین کے حصے سے کچھ چیخیں بلند ہوئیں اور کچھ قہقہے۔

ایک دن ابو نے کہا کہ آج جویریہ کے ہاتھ کی بنی چائے پینی چاہیے۔ جویریہ نے اِس تجویز کو بڑے جوش و جذبے سے سراہا اور اماں بی سے لذیذ چائے کی ترکیب دریافت کی، پھر ترکیب کے عین مطابق اس نے ایک دیگچی میں چائے کی پتی اور چینی کی مطلوبہ مقدار ڈال دی۔

سب صحن میں بیٹھے چائے کے منتظر تھے۔ جویریہ بھی آ کر بیٹھ گئی۔ بھائی بہنوں میں خوش گپیاں ہونے لگیں۔ پانچ منٹ بعد اماں بی نے کہا: ”جویریہ! جاؤ چائے کھول گئی ہو گی، چولھا بند کر دو۔“

”چولھا“ جویریہ حیران رہ گئی۔

”ہاں چولھا......!“ آپا نے بھی آنکھیں نکالیں۔

”مگر چائے کی ترکیب میں تو کہیں چولھا جلانے کا ذکر نہیں تھا۔ آپ نے تو کہا تھا دیگچی چولھے پر رکھنا، پھر اس میں پانی ڈالنا پھر وغیرہ وغیرہ......!“

اماں بی نے سر پکڑ لیا۔

”جویریہ! تم چند لمحوں کے لیے چائے کو گھورنا شروع کر دو، خود ہی کھول جائے گی۔“

بھائی جان نے مشورہ دیا۔

☆......☆

پیارے قارئین! آپ ضرور یہ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کیسا ہنستا بستا اور قہقہے لگاتا گھرانا ہے جہاں بھولے بھالے لوگ خوش گپیوں ہی میں مصروف رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہر گھرانے کی کہانی ہے، کسی کی غلطی، بھول یا شرارت پر غصہ ہو کر اور چیخ چلا کر گھر کے ماحول کو کشیدہ بھی کیا جا سکتا ہے اور انہی سب چیزوں پر ذرا سا دل بڑا کر کے اور درگزر کر کے اُن سے لطف بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔

اب بتائیے آپ کیا کریں گے؟ ☆☆☆

مسکراہٹ کے پھول

☆......ایک بادشاہ کا انتقال ہوا تو وزیر، سفیر اور دوسرے لوگ بادشاہ کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے لے کر چلے۔ یہ دیکھ کر وزیر نے کہا

”کاش بادشاہ سلامت زندہ ہوتے تو یہ سب دیکھ کر کتنے خوش ہوتے!“

☆......دو پاگل بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بولا: ”ایک ہاتھی درخت پر چڑھا ہوا ہو اور وہ نیچے اترنا چاہتا ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟“

دوسرے پاگل نے کہا: ”اسے چاہیے کہ کسی پتے پر بیٹھ کر خزاں کا انتظار کرے۔“

☆......سیاسی لیڈر (اخبار کے ایڈیٹر سے): ”کیا آپ کے اخبار نے میرے متعلق یہ چھاپا ہے کہ میں مکار اور جھوٹا ہوں۔“

ایڈیٹر (اطمینان سے) ”جی نہیں کسی اور اخبار نے یہ خبر چھاپی ہوگی۔ ہم پرانی خبریں نہیں چھاپتے۔“

☆......ایک مسٹر پھلوں کی خریداری کر رہے تھے کہ اس دوران ان کا کتا کچھ پھلوں کو چاٹنے لگا۔ دکاندار نے ان کی توجہ دلائی تو فوراً مڑ کر کتے سے کہا:

”ٹامی! بند کرو یہ حرکت، تمھیں اتنا بھی خیال نہیں کہ یہ پھل دھلے ہوئے نہیں ہیں۔“

☆......کسی ہوٹل میں ایک ویٹر کو انگریزی کے چند الفاظ آتے تھے۔ ایک دن ایک انگریز ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا کہ پلیٹ میں بکرے کی زبان نظر آئی۔

ویٹر کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”وٹ از دس؟“

ویٹر (کچھ سوچ کر): ”دس از لینگویج“

☆......مالک (ملازم سے) ”بے وقوف لوگ بھی کبھی کبھی اچھی بات کہہ جاتے ہیں۔“

ملازم: ”یہ بات آپ نے بہت اچھی کہی ہے۔“

☆......ٹریفک کے سپاہی نے ایک چھوٹی سی گاڑی آتے دیکھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ وقفے وقفے سے کچھ اوپر اٹھ رہی تھی۔ سپاہی نے گاڑی روکی جسے ایک بہت موٹا آدمی چلا رہا تھا۔

ٹریفک سارجنٹ: ”کیا گاڑی میں کوئی خرابی ہے؟“

ڈرائیور: ”جی نہیں، دراصل مجھے ہچکیاں آ رہی ہیں۔“

☆......بیٹا: ”ابا جان، کیا یہ درست ہے کہ بڑوں کا علم بچوں سے زیادہ ہوتا ہے؟“

باپ: ”ہاں یہ درست ہے۔“

بیٹا: ”اچھا تو یہ بتائیے ٹیلی فون کس نے ایجاد کیا؟“

باپ: ”گراہم بیل نے۔“

بیٹا: ”اچھا تو پھر گراہم بیل نے کیوں ایجاد کیا، اس کے باپ نے کیوں نہیں کیا؟“

☆......بیوی (پہلی مرتبہ طیارے میں بیٹھے ہوئے): ”یہاں سے لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح نظر آ رہے ہیں۔“

خاوند: ”یہ کیڑے مکوڑے ہی ہیں۔ ہمارے جہاز نے ابھی پرواز شروع نہیں کی۔“

(مرسلہ: ابن بہروز)

میرِ حجاز

سارے جزیرہ عرب میں گنتی کے چند ہی تو شہر تھے جن میں مکہ طائف اور یثرب مشہور تھے۔ اُن کے سوا ساری آبادی وسیع و عریض صحراؤں میں بکھری ہوئی تھی۔ کہیں چھوٹی چھوٹی قبائلی بستیاں تھیں۔ قبائلی عصبیتوں کے باعث راستے غیر محفوظ تھے، البتہ محترم مہینوں ذی قعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب کے احترام کے باعث عرب میں مجموعی طور پر امن رہتا تھا۔ روایت تھی کہ ان دِنوں میں باپ یا بیٹے کا قاتل بھی مل جاتا تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا تھا۔ اِن ایام میں عکّاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز کے تجارتی میلے منعقد ہوتے۔ عکّاظ نخلہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ مجنّہ مرالظہران میں جبکہ ذوالمجاز عرفات کے پیچھے۔ عکّاظ کا میلہ سب سے بڑا تجارتی میلہ تھا جو شوال کے پورے مہینے جاری رہتا اور پھر ذی قعدہ کے پہلے بیس دن مجنّہ کی منڈی کی گرم بازاری ہوتی اور اس کے بعد ذوالمجاز میں میلہ لگتا اور یہ میلہ ایامِ حج تک لگا رہتا۔

ان منڈیوں کی ایک مرکزی اہمیت تھی۔ کچھ اس وجہ سے کہ یہ عرب کے سب سے بڑے مرکز مکہ کے قریب تھیں۔ نیز ان کی تاریخیں بھی فریضہ حج کے لیے آنے والے تمام زائرین کے لیے آرام دہ تھیں لیکن ان میلوں کی حیثیت محض تجارتی ہی نہ تھی بلکہ ان میں ادبی و ثقافتی محفلیں منعقد ہوتیں جن میں شعرا اپنا کلام سنا کر اور خطباء اپنی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھا کر سامعین سے داد وصول کرتے۔ کھیلوں، تلوار زنی اور کشتی کے مقابلے ہوتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرائضِ نبوت کی ادائی کا احساس ہر وقت بے چین رکھتا۔ دور و نزدیک جہاں کہیں بھی اہلِ عرب کا اجتماع ہوتا، پیغمبرِ اسلام وہاں پہنچتے اور گم کردہ راہ انسانوں کو اللہ کی ہدایت کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے۔

☆☆☆

بنو حنیفہ کا عامر بن مسلمہ لگاتار تین سال سے دیکھ رہا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عکّاظ، مجنّہ اور ذی المجاز کے میلے میں آتے اور لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے اور کہتے کہ میرا دفاع کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں، اس کے بدلے میں وہ لوگوں کو جنت کی خوشخبری سناتے لیکن نہ انھوں نے اسلام قبول کیا اور نہ ہی کوئی اچھا جواب دیا لیکن آپ سختی سے جواب دینے والوں سے بھی حلم اور شائستگی کے ساتھ پیش آتے۔

عامر بن مسلمہ پہلی بار جب حج کر کے واپس اپنے قبیلے میں گیا تو اس کے ایک ملنے والے ہودہ بن علی نے پوچھا:

اختر حسین عزمی

''اِس سفرِ حج کی کوئی خاص بات سناؤ۔''

''میں نے ایک قریشی صاحب کو دیکھا،'' عامر کہنے لگا: ''جو باری باری سب قبیلوں کے پاس جاتے اور انھیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے اور ان سے یہ مطالبہ کرتے کہ دشمنوں سے وہ ان کا دفاع کریں تاکہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں اور اس پر وہ انھیں جنت کی خوش خبری سناتے۔''

''وہ قریش کے کس خاندان سے ہیں؟'' ہودہ نے سوال کیا۔

''بنی عبدالمُطلب کے اعلیٰ نسب سے۔''

''وہ محمد بن عبدالمُطلب تو نہیں۔'' ہودہ نے پوچھا۔

''ہاں بالکل وہی ہیں۔'' عامر کے اس جواب پر ہودہ نے کہا۔

''ان کا دین یہاں تک عنقریب غالب آجائے گا۔'' ہودہ نے اپنی سرزمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں تک؟'' عامر نے حیرت سے ہودہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بلکہ اس سے بھی آگے۔''

عامر دوسرے سال پھر حج پر گیا۔ جب واپس آیا تو ہودہ نے پھر اس سے پوچھا۔ ''اس شخص کی کوئی بات سناؤ۔''

''بخدا جس طرح پچھلے سال دیکھا، اب بھی ویسے ہی دیکھا ہے۔''

عامر جب تیسرے سال حج پر گیا تو اب حالات بدل چکے تھے۔ اس نے دیکھا کہ اُن کی دعوت کے جگہ جگہ چرچے تھے۔

(عامر بن مسلمہ الحنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ رحمت کی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہوئے!)

☆☆☆

''یا معشر القریش! ہے کوئی جو میری داد رسی کرے اور ابوالحکم عمرو بن ہشام سے مجھے میری رقم دلوا دے۔ اُس نے مجھ سے اُونٹ خریدے اور اب رقم کی ادائی میں روزانہ صبح و شام کہہ کر ٹال مٹول کیے جا رہا ہے۔ میں ایک بے نوا پردیسی ہوں۔ اراش سے اُونٹ لے کر آیا تھا اور یہاں سرزمینِ حرم میں میرے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔''

صحن حرم میں قریشی سرداروں کی مجلس میں اراشی تاجر دہائی دے رہا تھا لیکن اہل مجلس میں سے کسی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ اس کا حق دلوانے کے لیے ابوجہل عمرو بن ہشام کو کچھ کہے۔ ویسے بھی ایک اجنبی ان کے لیے اتنا اہم نہیں ہوسکتا جتنا ان کا ہم قبیلہ آدمی......! وہ خواہ مخواہ ابوجہل کی ناراضی کسی غریب الوطن کے لیے کیوں مول لیتے لیکن اسے ٹالنے کے لیے انھیں ایک شرارت سوجھی۔ انھوں نے کچھ دور تشریف فرما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا: ''وہ دیکھتے ہو، وہ جو شخص اکیلا بیٹھا ہوا ہے، اس کے پاس جاؤ وہ تمھیں تمھاری وصولی کروا سکتا ہے۔''

وہ لوگ جانتے تھے کہ محمد بن عبداللہ سے ابوالحکم کی کتنی دشمنی ہے لیکن اراشی تاجر کو تو یہ بات معلوم نہ تھی۔ وہ وہاں سے چل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اپنی فریاد دہرائی۔

اب یہاں کوئی اور ہوتا تو وہ اسے یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ میری تو اس سے سخت دشمنی ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بات سنی اور کہا:

''آؤ میرے ساتھ۔'' یہ کہتے ہوئے اٹھ کر آپ اس پردیسی کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔

جب سردارانِ قریش نے آپ کو اس فریادی کے پاس جاتے دیکھا تو ایک شخص کو پیچھے پیچھے بھیج دیا کہ وہ پیچھے جا کر دیکھے کہ وہاں کیا تماشا لگتا ہے۔

ابوجہل کے دروازے پر پہنچ کر آپ نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی:

بقیہ صفحہ نمبر ۱۳ پر

بھیس میں!

رضوانہ سید علی

آصف صاحب دفتر جا چکے تھے۔ بیگم آصف گھر کے کام کاج میں مصروف تھیں اور ننھا نومی اپنے جھولے میں لیٹا انگوٹھا چوس رہا تھا۔

''اللہ کے نام پر بی بی......!''

ایک بھاری سی آواز نے بیگم آصف کو چونکا دیا۔

انھوں نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو سامنے کھڑکی میں لمبا تڑنگا اور ہٹا کٹا بھکاری کھڑا نظر آیا۔ چہرے سے مگر وہ بھکاری سے زیادہ غنڈا معلوم ہو رہا تھا اور آواز تو لگا رہا تھا اللہ کے نام کی لیکن کھڑکی سے اندر جھانک کر چاروں طرف نظریں ایسے دوڑا رہا تھا جیسے آنکھوں سے گھر کو کھا جائے گا۔

خوف کی ایک سرد لہر بیگم آصف کے دل میں اتر گئی، لیکن انھوں نے ہمت کر کے بھکاری کو ڈانٹا: ''یہ بھلا مانگنے کا کون سا طریقہ ہے؟ تمھیں دوسروں کے گھروں میں جھانکتے شرم نہیں آتی؟ دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر نہیں مانگ سکتے کیا؟''

''اللہ کے نام پر کچھ دے دو بی بی!''

بھکاری نے اُن کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے وہی راگ الاپا۔ اُس کا لہجہ ایسا دھونس بھرا تھا جیسے اپنا حق مانگ رہا ہو۔

''بھاگو یہاں سے!'' بیگم آصف جھنجھلا کر بولیں۔

''دراصل وہ اس بھکاری سے بے حد خوف محسوس کر رہی تھیں۔ اسی لمحے بالکونی میں سے کوئی ہمسائی گزری۔ ایک آدمی بھی زینہ چڑھ کر اپنے فلیٹ کی طرف بڑھا۔ بھکاری نے لوگوں کو گزرتے دیکھ کر جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، لیکن جاتے جاتے اپنی خوفناک نگاہیں بیگم آصف پر گاڑ کر بولا:

''تجھے تو مزا چکھاؤں گا۔''

بیگم آصف کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ انھوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور چیخ کر بولیں: ''تم مستحق ہو؟ شرم نہیں آتی بدتمیزی کرتے ہو؟''

اُن کی بلند آواز سن کر ایک دو ہمسائی دروازے پر آ گئیں، مگر بھکاری سیڑھیاں اتر کر جا چکا تھا۔

بیگم آصف کے ہمسائے حاجی جی نے چھجے سے نیچے جھانکا بھی، لیکن اس کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ حاجی جی نے بیگم آصف کو تسلی دی اور کہا:

''بیٹی! یہ لوگ مجرم ہوتے ہیں، تم اکیلی رہتی ہو، دروازہ بند رکھا کرو۔''

بیگم آصف نے بتایا کہ دروازہ تو بند ہی تھا مگر وہ بدمعاش کھڑکی میں آ کھڑا ہوا تھا۔ خیر لوگوں نے دو چار تسلی کی باتیں کیں اور اپنے اپنے فلیٹ میں چلے گئے۔ بیگم آصف پھر اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئیں۔

وہ لوگ حال ہی میں لاہور سے آئے تھے۔ کراچی میں مکان ملنا بہت مشکل ہے، کافی تلاش کے بعد دولت نگر کی ایک بلڈنگ میں چھوٹا سا فلیٹ لیا تھا، بس ایک کمرا ہی تھا۔ اس بلڈنگ کے نچلے حصے میں دکانیں تھیں اور اوپر ایک قطار میں چھوٹے چھوٹے کمرے جن کی کھڑکیاں اور دروازے ایک بالکونی میں کھلتے تھے۔ اِن کمروں میں بھانت بھانت کے لوگ آباد تھے۔

یہاں اکثر لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں مگر بلڈنگ کچھ اس طرز کی بنی ہوئی تھی کہ سب مل جل کر ایک خاندان کی طرح رہنے پر مجبور تھے۔ کمرے چھوٹے تھے، اس لیے عورتیں اکثر بالکونی میں آ کر بیٹھ جاتی تھیں۔

بیگم آصف پنجاب کے کھلے علاقے سے آئی تھیں۔ بڑے صحن اور آزاد فضا کی عادی تھیں۔ اِس بند بند سے ماحول میں اُن کا دل بہت گھبراتا تھا، مگر کراچی جیسے شہر میں کم کرایے میں ایسے فلیٹ کا ملنا بھی بڑی بات تھی، اِس لیے مجبوراً رہنا پڑ رہا تھا۔ آصف صاحب کا کام کچھ اس طرح کا تھا کہ وہ رات گئے گھر آتے تھے اور بیگم ننھے نومی کے ساتھ رات نو دس بجے تک اکیلی رہتی تھیں۔

اُس رات بھی وہ اپنا کام ختم کر چکی تھیں۔ کھانا وغیرہ بھی تیار ہو چکا تھا۔ نومی کب کا سو چکا تھا اور پڑوسن ابھی ابھی ان کے کمرے سے نکل کر گئی تھی۔ بیگم آصف نے ایک کتاب اٹھائی اور اس کا مطالعہ کرنے لگیں، اچانک ان کی چھٹی حس نے انھیں خبردار کیا۔ انھیں کچھ خطرہ سا محسوس ہوا۔ انھوں نے بے ساختہ چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر انھیں اپنا خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا کہ وہی دوپہر والا بھکاری کھڑکی میں کھڑا اپنی خوفناک نگاہوں سے انھیں گھور رہا ہے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر رکھے ہوئے تھے اور کمرے میں کودنے کے لیے بالکل تیار تھا۔

خطرے کے وقت انسان کا دماغ ایک دم چوکس ہو جاتا ہے اور اسے جو کچھ کرنا ہو پلک جھپکتے ہی کر لیتا ہے۔ بیگم آصف نے بھی پل بھر میں خطرے کو بھانپ لیا۔ دروازہ بند تھا۔ اندر آ کر وہ غنڈہ کھڑکی بھی بند کر دیتا، پھر انھیں مار کر گھر کا صفایا کر کے چلتا بنتا، لیکن اگر وہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل جائیں تو شاید بات بن جائے، مگر اس صورت میں بھی انھیں بالکونی میں اس مسٹنڈے کے پاس سے گزرنا ہوگا۔

خطرہ دونوں صورتوں میں تھا،لیکن اندر رہ کر چپ چاپ مرنے اور نومی کو خطرے میں ڈالنے سے بہتر تھا کہ باہر نکل کر اپنی مدد کے لیے پڑوسی حاجی کو بلایا جائے۔

یہ سب کچھ بیگم آصف نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سوچ لیا۔ وہ غنڈہ اب اندر کودنے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے سمجھا کہ عورت مجھ سے خوف زدہ ہو کر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی ہے اور اب ہل بھی نہیں سکتی، لیکن اسی لمحے بیگم آصف بجلی کی سی تیزی سے اٹھیں اور دروازہ کھول کر ایک چیخ مارتے ہوئے پڑوسن کے گھر میں گھس گئیں، جس کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔

بھکاری ہکا بکا چوکھٹ پر ہاتھ رکھے جھکا کا جھکا رہ گیا۔

حجن جی نے بیگم آصف کو جو یوں اڑی اڑی رنگت اور پھولی سانسوں کے ساتھ اندر آتے دیکھا تو گھبرا گئیں۔

بیگم آصف نے ہانپتے ہوئے بتایا: ”حجن جی! وہ باہر وہ......وہی غنڈہ آیا ہے۔“

اب تو حاجی جی بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔

انھوں نے ایک موٹا سا ڈنڈا اٹھایا اور باہر نکل کر زور سے چیخے:

”ٹھہر نامراد! تیرا قیمہ کر دوں گا۔“

شور سن کر سب لوگ کمروں سے باہر نکل آئے لیکن بھکاری کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر بڑی آسانی سے غائب ہو گیا تھا۔

اُس رات جب تک آصف صاحب نہ آ گئے۔ سب عورتیں اُن کی بیگم کے پاس ہی ٹھہری رہیں۔ بیگم آصف تو اس دن کے بعد ایسی خوف زدہ ہوئیں کہ کھڑکی بھی نہ کھولتیں۔ اندر گھٹن ہی میں بیٹھی رہتیں یا کسی ہمسائی کو بٹھائے رکھتیں۔ آصف صاحب بھی جلد از جلد گھر آنے کی کوشش کرتے۔

ایک شام آصف صاحب جلد گھر لوٹ آئے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔ کچھ دیر بعد بیگم آصف یہ اخبار لیے ساری بلڈنگ میں گھوم رہی تھیں اور سب عورتوں کو دِکھا رہی تھیں۔ اخبار میں اسی بدمعاش بھکاری کی تصویر چھپی تھی۔ وہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے بڑی ڈھٹائی سے اکڑ کر کھڑا تھا۔ خبر یہ تھی کہ کراچی کی ایک دور دراز کالونی میں اُس نے ایک گھر میں ڈاکا ڈالا۔ گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ صرف ایک اکیلی عورت بیمار پڑی تھی۔ اس بھیڑیے نے بیمار عورت کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا اور سارا سامان لوٹ کر بھاگنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اس عورت کا بھائی آ پہنچا اور اس نے اسے ہمسایوں کی مدد سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔

معلوم ہوا کہ یہ آدمی دراصل ڈاکو ہی ہے جو بھکاری کے بھیس میں لوگوں کے گھروں کو تاڑتا تھا اور اگر موقع لگے تو اسی وقت نہیں تو رات کو واردات کر جاتا تھا۔

بیگم آصف کو اب بھی اس کی خوفناک آنکھیں یاد آتی ہیں تو وہ کانپ جاتی ہیں۔

☆☆☆

بقیہ: میرِ حجاز

”کون؟“

”میں محمد ہوں، باہر آؤ“۔

ابوجہل باہر آیا۔ آپؐ کو دیکھتے ہی شدت خوف سے اس کی رنگت پیلی پڑ گئی۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: ”اس اراشی شخص کی کوئی رقم تمھارے ذمے ہے؟“

ابوجہل نے کہا: ”ہاں“۔

”تو اس کا حق اسے ادا کرو۔“

”میں ابھی لے کر آیا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اندر گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد باہر آیا اور تاجر کی رقم اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

”تجھے تیرا حق مل گیا۔“ یہ کہتے ہوئے اللہ کے رسول وہاں سے چل دیے۔ وہ اراشی تاجر واپس قریش کی اسی مجلس میں آیا اور اس نے شرکائے مجلس سے کہا:

”اللہ اُس شخص کو جزائے خیر دے۔ واللہ اس نے میرا حق مجھے دلوا دیا۔“

اراشی تاجر کے پیچھے پیچھے قریش کا بھیجا ہوا آدمی بھی آ گیا۔ انھوں نے اس سے پوچھا:

”بتا کیا دیکھا تو نے؟“

”بڑی ہی عجیب بات دیکھی۔ محمدؐ نے جب دستک دی اور بتایا کہ میں آیا ہوں تو ابوالحکم باہر نکلا اور حالت یہ تھی کہ اس کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی اور اس نے کہا: آپ یہیں ٹھہریں میں رقم لا کر دیتا ہوں، پھر وہ اندر گیا اور تاجر کی رقم لا کر اسے دے دی۔“

تھوڑی دیر گزری تھی کہ خود ابوجہل منہ لٹکائے مجلس میں آیا۔

اہل مجلس نے اسے گھیر لیا اور کہنے لگے:

”تیرا بُرا ہو، تو نے یہ کیا کیا کہ محمدؐ کے کہنے پر رقم لوٹا دی۔ واللہ ہمیں تم سے یہ امید نہ تھی۔“

”واللہ! میں نے جب ان کی آواز سنی تو اس کے رعب سے میں لرز گیا۔ جب باہر آیا تو دیکھا کہ ان کے سر کے اوپر ایک اُونٹ منہ پھاڑے کھڑا ہے۔ اس جیسی کھوپڑی، اس جیسی گردن اور اس جیسی کچلیاں واللہ میں نے کبھی کسی اُونٹ کی نہیں دیکھیں۔ واللہ اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا۔“

(جاری ہے)

انسپکٹر جمشید سیریز

اُونٹ رے اُونٹ!

۷

اشتیاق احمد

''بات ہوگئی ہے۔'' انھوں نے کہا۔

''کس سے بات ہوگئی ہے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

پیری بان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''ہم نے اپنے ایک ساتھی سے بات کی ہے۔''

انسپکٹر جمشید نے گول مول انداز میں کہا۔

وہ اسے راز کی کوئی بات بتانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں، جبکہ میں نے آپ لوگوں کے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے، اپنے گھر سے بے گھر ہو گیا ہوں، بیوی بچوں سے دور ہو گیا ہوں، نجانے کتنی مدت بعد ان کی شکل دیکھ سکوں گا، دیکھ بھی سکوں گا یا نہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن آپ ذرا انتظار کریں، ہم آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی، میرا خیال ہے فون کرنے کے بعد ہمارا یہاں رکنا خطرناک ہے۔ یہاں کے محکمے کی سراغ رسانی اس قدر تیز ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمیں یہاں سے بھی نکل جانا چاہیے۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ بولے۔

پھر وہ ایک اور ہوٹل میں چلے گئے۔

''مجھے ایک فون پھر کرنا پڑے گا۔''

''آپ کا یہ فون پر فون کرنا ہمارے لیے پریشانی لائے گا۔''

''لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں، یہ کرنا ہی ہوگا ورنہ ہم نہ اپنا کام پورا کر سکیں گے اور نہ یہاں سے نکل سکیں گے۔''

''اچھی بات ہے، کر لیں فون لیکن بہتر ہوگا کہ آپ ہوٹل سے باہر جا کر کسی پبلک فون بوتھ سے فون کریں۔''

''اچھی بات ہے...... یہ ٹھیک رہے گا۔''

انھوں نے کہا اور باہر نکل گئے۔

''آپ کے والد بھی عجیب ہیں...... اِن حالات میں ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہیں۔''

''اور ہم...... ہم آپ کو خوف زدہ نظر آ رہے ہیں؟''

''نہیں، آپ بھی خوف زدہ نہیں ہیں، اِس بات پر مجھے اور بھی حیرت ہے۔ آپ لوگوں کا بہت نام سنا تھا، کس قدر عجیب لگ رہا ہے، میں آج آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔'' اس نے جذباتی آواز میں کہا۔

''ہاں! ہمیں بھی عجیب لگ رہا ہے کہ انشارجہ کا ایک پولیس آفیسر باغی ہو کر ہم سے مل گیا ہے۔''

''پتا نہیں، آپ لوگوں میں کیا بات تھی کہ میں آپ سے باتیں کرنے ہوٹل مون لائٹ پہنچ گیا۔''

اس نے سرد آہ بھری۔

''آپ کو شاید افسوس ہو رہا ہے۔''

''افسوس کر کے کیا فائدہ ہو جائے گا جو ہونا تھا وہ تو اب ہو چکا ہے۔''

اسی وقت انسپکٹر جمشید آتے نظر آئے، آتے ہی وہ بولے: ''ظہور کا سراغ لگ چکا ہے...... بلکہ میرے آدمی اسے چھڑا بھی لائے ہیں۔''

''کمال ہے، حیرت ہے، آپ کے آدمی تو کمال کے ہیں، انشارجہ کی پولیس سے اپنا آدمی چھڑا لائے۔''

پیری بان بولا۔

''اب ہماری ایک پریشانی تو ہوگئی ختم، ظہور جلد یہاں آ جائے گا۔''

''سوال یہ ہے ابا جان! اس بار آپ انکل ظہور کو کیوں ساتھ لائے تھے؟'' فاروق بولا۔

''بھئی انشارجہ کے کھانے ہمیں اچھے نہیں لگتے نا۔'' وہ بھنا اٹھے۔

''تب پھر اب کیا پروگرام ہے؟''

''اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ انسپکٹر پیری بان صاحب سے مدد لے ہی لی جائے، یہ ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''اوہ!'' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''گویا آپ یہ بتانے لگے ہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔'' فرزانہ جلدی سے بولی۔

''ہاں! مجبوری ہے۔''

''تو پھر بتائیے۔''

''انسپکٹر پیری بان! ہم ایک فائل اڑانے آئے ہیں، فائل کا نمبر ہے: K-91۔ یہ وزارت خارجہ کے پاس ہے۔''

''ارے باپ رے، اس قدر خوف ناک کام۔''

پیری بان گھبرا گیا۔

''کیوں! کیا بات ہے، کیا آپ اس فائل کے بارے میں جانتے ہیں؟''

''ہاں! میں نے سنا ہے، اس میں کوئی بہت خفیہ معاہدہ درج ہے جو انشارجہ نے کئی ملکوں کے ساتھ کیا ہے۔ اِن ملکوں میں سب سے پہلا نام بیگال ہے، گویا سب اس کے ساتھی ملک اس معاہدے میں شامل ہوں گے۔''

''بالکل یہی بات ہے...... اور ہم جاننا چاہتے ہیں، اُن کے درمیان کیا معاہدہ ہوا ہے۔''

''لیکن آپ لوگ اُس فائل کو نہیں اڑا سکتے۔ وہ وزارت خارجہ کے دفتر میں ہے اور وزارتِ خارجہ کے دفتر سے کوئی چیز اڑانا مشکل ہی نہیں، قریب قریب ناممکن ہے۔''

''اسی لیے تو ہمیں بھیجا گیا ہے، اب آپ بتائیں، آپ اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟''

''افسوس! میں تو اِس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' اس نے منہ بنایا۔

''خیر کوئی بات نہیں، ہم خود ہی فائل تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔''

''اور پھنس جائیں گے، اِس لیے کہ آپ کو وزارتِ خارجہ کے دفتر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔''

پیری بان نے منہ بنایا۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا مطلب؟'' پیری بان چونکا۔

''بیٹھ جائیں، میں ابھی آپ کو بتا دیتا ہوں اُس دفتر کے بارے میں۔''

''کیا بتا دیتے ہیں؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ایک ایک بات، سنیے، دفتر وزارتِ خارجہ شارلی روڈ پر واقع ہے، اس میں کل ۱۰۹ کمرے ہیں، تمام کمرے برقی نظام کے تحت کھلتے اور بند ہوتے ہیں، یعنی سب کچھ آٹومیٹک ہے۔ مطلوبہ فائل ۱۰۰ نمبر کمرے کی سیف نمبر ۳ میں رکھی گئی ہے۔ اس عمارت کے کسی بھی کمرے کو جب کوئی غیر متعلق آدمی کھولے گا تو الارم بجے گا اور اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ کسی الماری کی طرف ہاتھ بھی بڑھائے گا تو بھی الارم بج اٹھے گا۔ مطلب یہ کہ اس عمارت کے صرف ملازمین ہی دروازوں اور سیفوں کو کھول سکتے ہیں اس لیے کہ انھیں اُن کے کھولنے کا طریقہ معلوم ہے۔ اس کے علاوہ صدر دروازے پر اور پچھلے دروازے پر ایک ایک روبوٹ مقرر ہے۔ یہ بھی نگرانی کرتے ہیں اور اِن دونوں

دروازوں سے کوئی باہر کا آدمی اندر داخل نہیں ہوسکتا...... بس یا کچھ اور سننا چاہتے ہیں؟''

''یہ معلومات تو انشارجہ کے ہر شہری کو معلوم ہیں...... آپ کو اگر معلوم ہیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔''

پیری بان مسکرایا۔

''بالکل ٹھیک...... یہ بات ہم بھی جانتے ہیں۔''

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''تو پھر...... آپ کن معلومات کی بنیاد پر یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔''

''دفتر میں کام کرنے والے ایک شخص کی مدد سے ہم یہ کام کریں گے، کیوں کہ وہ گھر کا بھیدی ہوگا۔''

''اور وہ آپ کی مدد کیوں کرنے لگا؟'' اس نے کہا۔

''آپ کیوں مدد کر رہے ہیں ہماری؟''

''میری تو اور بات ہے...... میں تو بس پھنس گیا۔''

وہ جھینپ گیا۔

''اس طرح وہ بھی ہماری مدد کرے گا۔''

''آخر وہ کون ہے؟''

''ابھی آپ کو معلوم ہوجائے گا۔''

''کیا معلوم ہوجائے گا اور کیسے معلوم ہوجائے گا۔'' اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

''بس دیکھتے جائیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اچھا میں نے اپنے گھر فون تک نہیں کیا، میرا خیال ہے۔ میں فون کر کے ان کی خیریت تو معلوم کر ہی سکتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انسپکٹر پیری بان اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں جناب! جونہی آپ یہاں سے فون کریں گے، پولیس یہاں کا پتا چلا لے گی...... لٰہذا آپ ایسی کوئی کوشش نہ کریں۔''

''اچھی بات ہے، میں اس بات کو بھی جانے دیتا ہوں لیکن میں اپنے کسی پڑوسی کے ذریعے تو خیریت معلوم کر سکتا ہوں......ظاہر ہے پڑوسی کا نمبر تو ٹیپ نہیں ہو رہا ہوگا۔''

''ہاں! یہ آپ کر سکتے ہیں۔''

انسپکٹر پیری بان اٹھا ہی تھا کہ بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔

(جاری ہے)

آسان علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ٦

غیر مسلمین

محمد اسامہ سرسری

آیتِ کریمہ:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۞۔

ترجمہ: نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ (سورۂ فاتحہ)

حدیثِ مبارک:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ؟

ترجمہ: ہر بچہ کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں بالکل اس طرح جیسے جانور کے بچے صحیح سالم ہوتے ہیں۔ کیا تم نے (پیدائشی طور پر) کوئی ان کے جسم کا حصہ کٹا ہوا دیکھا ہے؟ (صحیح بخاری)

مسنون دعا:

أعوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطانِ الرَّجيم

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۞ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۞ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۞ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔

(سورۂ کافرون)

فضیلت:

اس سورت کا ثواب ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسند احمد)

فقہی مسئلہ:

غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ خلاق و نیک برتاؤ اور ظاہری خوش خُلقی سے پیش آنا درست ہے۔ اسلامی اخلاق سے متاثر کر کے غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی اجازت ہے، البتہ جہاں تک قلبی تعلق اور دلی دوستی کی بات ہے تو یہ کسی غیر مسلم کے لیے رکھنا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن للجصاص)

☆☆☆

بچے!

اثر جونپوری

یہ ماں کی گود سے محروم بچے
بلکتے بھوک سے مغموم بچے
شہادت دے رہے ہیں دینِ حق کی
لہو میں لپٹے یہ معصوم بچے
ہوا جب سے تُو خاموش رخصت
مچی ہے جگ میں تیری دھوم بچے
یہاں کی قید سے آزاد ہے تُو
وہاں خلدِ بریں میں گھوم بچے
تو صدقہ ملتِ اسلام کا ہے
تجھے شاید نہیں معلوم بچے
شہادت کا تجھے تحفہ ملا ہے
سعادت پر خوشی سے جھوم بچے

☆☆☆

محمد طلحہ صادق۔ بہاول پور

بہاول پور

بہاولپور پاکستان کے صوبہ پنجاب میں سرائیکی وسیب (جنوبی پنجاب) کا چھٹا بڑا اور پاکستان کا گیارھواں بڑا اور اہم شہر ہے، جو ضلع کی حیثیت رکھتا ہے۔

بہاولپور کی اپنی ایک عظیم تاریخ ہے۔ بہاولپو کا علاقہ ابتدا میں مغلیہ سلطنت کے صوبہ ملتان کا حصہ تھا۔ اس میں وادی سندھ کی تہذیب کے کھنڈرات کے ساتھ ساتھ قدیم بدھ مت کے مقامات جیسے قریبی پٹن مینارہ بھی شامل ہے۔ بعد میں نواب محمد بہاول خان عباسی نے بہاولپور کے نام سے اس علاقے کو ایک الگ ریاست کے نام سے حیثیت دیتے ہوئے ریاست کی بنیاد ۱۷۴۸ء میں رکھی۔ یہ ریاست صادق آباد سے بہاول نگر تک پھیلی ہوئی تھی۔ عباسی خاندان نے دو سو سال تک ریاست پر حکومت کی۔ آخری نواب سر صادق محمد خان عباسی پنجم کی حکمرانی کے دوران ریاست بہاولپور کو پاکستان میں ضم کر دیا گیا۔ جی ہاں! بہاولپور برصغیر کی پہلی ریاست تھی جس نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا تھا اور بطور ریاست بہاولپور صوبائی حیثیت کے ساتھ پاکستان میں الحاق ہوا تھا لیکن ون یونٹ کے اختتام کے بعد اس کی صوبائی حیثیت ختم کر دی گئی اور اسے صوبہ پنجاب میں ضم کر دیا گیا۔ تاہم اسے خصوصی مراعات دی گئیں جن میں ہر سال متعدد کاروں کو ڈیوٹی فری درآمد کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ بہاولپور پہلے ریاست کا دارالحکومت تھا اور اب بہاولپور ڈویژن کا ضلع اور ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔

مشہور مقامات:

بہاولپور کے دیدہ زیب مشہور اور تاریخی مقامات بہت سے ہیں۔ سب سے پہلے بات کرتے ہیں جامع مسجد الصادق بہاول پور کی جو بہت قدیم اور عظیم الشان مسجد ہے۔ اس کا شمار پاکستان کی بڑی اور تاریخی مساجد میں ہوتا ہے۔ ۲۴ کنال رقبے پر محیط یہ مسجد سفید سنگ مرمر سے بنائی گئی ہے۔ شہر کے سب سے مصروف اور گنجان علاقے بازار میں واقع اس مسجد میں ۵۰ ہزار افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

بہاول پور کو نوابوں کا شہر بھی کہا جاتا رہا ہے۔ یہاں ۱۲ نواب گزرے ہیں۔ ان نوابوں کے عالی شان اور پرشکوہ محلات نور محل، دربار محل اور گلزار محل اب بھی پورے شان و شوکت کے ساتھ قائم ہیں۔ کبھی یہ نوابوں کا مسکن ہوتے تھے مگر آج سیاحوں کے لیے سیر گاہ ہیں۔

ان تینوں محلات کے علاوہ مقبرہ بی بی جیوندی، لال سہانڑا نیشنل پارک (الف نمبر میں اس کا خوبصورت تذکرہ شامل ہے)، چڑیا گھر، صادق ڈین ہائی اسکول، قلعہ ڈیراور اور سینٹرل لائبریری بہاولپور، قائداعظم سولر پارک اور فرید گیٹ شامل ہیں۔

فرید گیٹ سے بات کرتے ہیں بہاولپور کے سات مشہور شاہی دروازوں کی۔

چونکہ پرانے وقتوں میں بہاول پور ایک فصیل بند شہر ہوا کرتا تھا تو اس کے سات دروازے تھے: ملتانی گیٹ، شکار پوری گیٹ، بوہڑ گیٹ، ڈیراوری گیٹ، موری گیٹ، احمد پوری گیٹ، بیکانیری گیٹ۔

بیکانیری گیٹ ہی کو اب فرید گیٹ کہتے ہیں۔ یہ بہاول پور کا سب سے مشہور گیٹ ہے، حتیٰ کہ اس پر ایک ضرب المثل بھی بنائی گئی ہے۔ جب کوئی شخص بے لگام کھائے جا رہا ہو تو مزاح کے انداز میں کہتے ہیں: پیٹ ہے یا فرید گیٹ!؟

اب فصیل تو نہیں رہی البتہ دروازے موجود ہیں۔ حالیہ دنوں میں ان دروازوں کو از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ ان پر کی گئی نقش نگاری اور ان کی خوب صورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

بہاولپور کے مشہور محلات کی تفصیل میں جائیں تو کئی صفحات چاہییں، اس لیے صرف قائداعظم سولر پارک، سینٹرل لائبریری اور قلعہ دراوڑ کی بابت کچھ تفصیل سے جانتے ہیں:

قائداعظم سولر پارک ایک زیر تعمیر پاور سٹیشن ہے جو سورج کی روشنی سے بجلی پیدا کرنے کے لیے چائنہ کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کی مکمل تکمیل پر یہ ہزار میگا واٹ بجلی پیدا کرتے ہوئے دنیا کے سب سے بڑے سولر پارک کا درجہ حاصل کر لے گا، لیکن ابھی اس پاور اسٹیشن کے پہلے مرحلے میں صرف ۴۰۰ میگا واٹ بجلی پیدا کی جا رہی ہے جسے نیشنل گرِڈ میں شامل کیا جاتا ہے۔ کچھ تکنیکی وجوہات کی بنا پر اسکی مزید توسیع کا کام روک دیا گیا ہے تاہم رقبے کے لحاظ سے اب بھی یہ دنیا کا سب سے بڑا سولر پارک ہے۔

اب بات کرتے ہیں اطالوی فنِ تعمیر کا شاہکار بہاولپور کی سینٹرل لائبریری کی جو پنجاب کی دوسری بڑی لائبریری ہے۔ اس میں ایک لاکھ قیمتی کتابوں کا خزانہ موجود ہے اور ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک کے تمام بڑے اخبارات کا اعزازی ریکارڈ بھی اس لائبریری کا حصہ ہیں۔ یہ لائبریری بصارت سے محروم اور دیگر معذور افراد کو بھی مطالعے کی سہولت فراہم کرتی ہے جو کہ مطالعے کے شوقین افراد کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔

شہر سے ۸۰ کلومیٹر جنوب کی طرف جائیں تو صحرائے چولستان میں میلوں دور سے قلعہ ڈیراور دکھائی دے گا۔ نویں صدی عیسوی میں راجپوتوں نے یہ قلعہ تعمیر کروایا تھا۔ اٹھارہویں صدی کے شروع میں جب عباسی خاندان نے یہاں حکومت قائم کی تو یہ قلعہ بھی ان کے قبضے میں آ گیا۔ آج تک یہ قلعہ عباسی خاندان کی ملکیت ہے۔ قلعے کے پاس ایک دریا بھی بہتا تھا جسے دریائے ہاکڑہ کہتے تھے۔ اب اس کا وجود صرف کتابوں تک محدود ہے۔ قلعے کے سامنے ایک قدیم اور خوب صورت مسجد ہے۔ سفید سنگ مرمر سے بنائی گئی اس مسجد کو عباسی شاہی مسجد کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کو جامع مسجد دہلی کے ڈیزائن پر اور اسی کی طرح قلعے کے عین سامنے بنایا گیا ہے۔ قلعہ تو اب گردشِ زمانہ کی نذر ہو چکا ہے مگر مسجد الحمدللہ آباد ہے اور باجماعت نماز کے علاوہ بچوں کے لیے قرآن مجید کی کلاس بھی لگتی ہے۔